

# **DAMAGE BOOK**

UNIVERSAL  
LIBRARY

**OU\_222415**

UNIVERSAL  
LIBRARY



# Osmania University Library

ن - ۱۲

Call No ۸۹۱۵ ۷۳۱۴

Accession No. ۱۰۸۹۵

Author

~~۱۲ - ۱۲~~

نصیر الدین ہاشمی

10895

Title

۱-۲ - ۱۲

حرف و سحر

This book should be returned on or before the date last marked below

---



# حضرت ابوالکلام آزاد کی شاعری

از

نصیر الدین ہاشمی

مولف دکن میں اُردو، رہبر سفر یورپ، یورپ میں دکنی مخطوطات وغیرہ

۱۳۵۳ھ  
۱۹۳۲ء

مطبعہ المطالع مشین پریس نظام شاہی ڈو جید آباد دکن  
قیمت  
ایک روپیہ

# فہرست مضامین

صفحہ	عنوان	نمبر	صفحہ	عنوان	نمبر
۲۳	صوفیانہ نظئیں	۱۵	۲	فہرست ہذا	۱
۳۷	تضمین	۱۶	۳	عرض حال	۲
۳۷	عربی تضمین	۱۷	۵	پیش لفظ	۳
۳۹	فارسی تضمین	۱۸	۹	تمہید	۴
۴۲	اردو تضمین	۱۹	۹	حضرت امجد کا نام و نسب	۵
۴۶	غزلیات	۲۰	۱۰	تعلیم و تربیت	۶
۵۹	رباعیات	۲۱	۱۰	ملازمت	۷
۶۰	حقائق و معارف	۲۲	۱۱	شاعری کی ابتدا	۸
۶۴	عبادت الہی	۲۳	۱۱	تصانیف	۹
۶۶	اخلاق	۲۴	۱۲	حال و قال	۱۰
۷۱	فلسفہ	۲۵	۱۲	نظئیں	۱۱
--	تصوف	۲۶	۱۴	واقعہ نگاری	۱۲
۶۲	قطعات	۲۷	۱۹	دصف نگاری	۱۳
۸۶	کلام پر تبصرہ	۲۸	۲۱	اخلاقی نظئیں	۱۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

## عرض حال



میں شاعر ہوں اور نہ نقاد سخن اس لئے حضرت امجد مدظلہ کی شاعری پر صحیح طور پر تبصرہ کرنا اور کلام امجد کے اصلی محاسن کو ظاہر کرنا میرے حد علم سے باہر ہے۔ البتہ اپنے حد ذوق کے موافق آپ کے مختصر کلام کو ایک خاص ترتیب اور مختصر صراحت کے ساتھ مرتب کر دیا ہے۔

یوں تو حضرت امجد کا ہر صنف کا کلام مختلف ناموں سے شائع ہو چکا ہے مگر آپ کا تہرسم کا کلام اس طرح ایک جا نہیں ہے جس کے مطالعہ سے حضرت امجد کی شاعری کے مختلف پہلو اور آپ کے کلام کے خصوصیات بخوبی واضح ہو سکیں۔

میرا یہ مضمون دہلی کے رسالہ ساتی کے چار نمبروں میں شائع ہو چکا ہے اور اس کے بعد بعض دیگر رسالوں میں بھی نقل ہوا ہے چونکہ بعض احباب کی خواہش ہوئی کہ اس کو علیحدہ کتابی

صورت میں شائع کر دیا جائے لہذا کسی قدر اضافہ کے ساتھ یہ رسالہ پیش کیا جاتا ہے۔

میرے حسب استدعا میرے شفیق محترم واجب التعمیم علم دوست بزرگ عالیجناب نواب ڈاکٹر سمر امین جنگ بہادر ادا م اللہ فیوضہ نے ازراہ عنایت و نوازش ”پیش لفظ“ لکھنے کی زحمت گوارا فرمائی ہے جو میرے اس رسالہ کے لئے باعث زینت ہے۔ فقط

نصیر الدین ہاشمی

## پیش لفظ

از علی جناب نواب کٹر سر امین جنگا دریم اے۔ یل یل ٹوی کے سی یس آئی  
 صد المہام پیشی علی حضرت حضور نظام اخلد اللہ لکھ و سلطنتہ



میرے نوجوان دوست نصیر الدین ہاشمی صاحب نے  
 مجھ سے خواہش کی کہ میں ان کی اس تالیف کا (پیش لفظ)  
 لکھوں۔ میں نے ان کی محبتاً خواہش کو پوری کرنا تین وجوہ  
 سے مناسب سمجھا۔ ایک یہ کہ ہاشمی صاحب کے آبا و اجداد  
 میں اور میرے آبا و اجداد میں دیرینہ علمی و عملی ارتباط و اتحاد  
 رہا۔ دوسرے یہ کہ اُن کے اُستاد اور میرے کرم فرما مولوی  
 سید احمد حسین صاحب امجد کی شاعری کا میں اسی قدر گرویدہ  
 ہوں جس قدر کہ مصنف طال اللہ قدرہ کے دل میں اپنے اُستاد  
 کے نازک مگر چہر مغز کلام کی قدر و منزلت ہے۔ تیسرے یہ کہ  
 جناب امجد دام فیوضہ کی شاعری اپنے ولی صفت استاد حضرت

محمد فاضل عرف غلام دستگیر ہمت طالب اللہ نراہ کی شاعری  
 کو یاد دلاتی ہے کیونکہ میں نے دونوں میں ایک ہی فطرتی جولانی  
 نازک خیالی و صاف بیانی پائی جو حظِ روحانی و لطفِ خاص  
 کے باعث ہوتی ہے۔ البتہ ایک اہم فرق یہ ہے کہ میسر  
 استاد کے مذاق میں غضب کی کہوت جاگزیں ہو گئی تھی لیکن  
 ہاشمی صاحب کے استاد کا مذاق ہنوز جوان ہے اور ماشار اللہ و فرزند  
 ترقی پر ہے۔

نواب کرناٹک غلام غوث خاں اعظم کی وفات کے  
 بعد مدراس میں شعر و سخن کی قدر دانی کچھ ایسی گھٹی کہ حضرت  
 ہمت جیسے شاعر اس قدر دل شکستہ تھے کہ اپنے نام کے  
 ساتھ ”مولوی“ یا ”پنڈت“ سنسکرت کے بھی ادیب  
 تھے لکھا جانا عجیب سمجھنے لگے تھے۔ لکھنے والے شاگردوں پر خفا  
 ہوتے تھے۔ اخیر عمر میں مجبوراً مدراس کے ایک کالج کے پروفیسر  
 ہوئے تھے لیکن نصاب کی کتب پڑھانے کے عوض انکے مضامین  
 سے متعلق فارسی اردو ہندی اشعار ”دوہے“ رباعیات یا قطعات  
 فی البدیہہ کہتے یا شرب میں قصائد یا غزلیات لکھ لاتے اور اپنے

شاکر دوں کو سنا کر فوراً کاغذ چاک کر دیتے تھے کسی کو اُن کی نقل بھی لینے نہیں دیتے تھے۔ غرض میرے اُستاد جن کا خطاب (شہر اُستاد) تھا اُن کی افسردہ خاطر ہی نے اُن کی شاعری کا نام و نشان تک نہ چھوڑا لیکن ہاشمی صاحب کے نصیب بڑے ہیں کہ ان کے اُستاد جن کا خطاب (حکیم الشعراء) واجبی ہے ان کی نازک مزاجی نے اپنی شاعری سے وہی ثابت کیا جو میرے اُستاد سمجھاتے تھے۔ یعنی شاعری ایک طاہرِ طوبیٰ کی نغمہ سرائی کا نام ہے اور شعر وہی ہے کہ ہر انسان عالم و جاہل دونوں کے دل میں جھکیاں لیتا رہے۔ اگر کسی شعر کا ترجمہ کسی دوسری زبان میں کیا جائے تو وہ ترجمہ پڑھنے والے کو ویسا ہی لطف دے جو خود شاعر کی اصل زبان پڑھنے والے کو مل سکتا ہے۔ چنانچہ عمر خیام کی رباعیات کا یہی حال انگریزی و فرانسیسی و جرمن ترجموں میں ہے جسکے باعث وہ یورپ میں کامل شاعر مانا جاتا ہے۔

شاعری بلکہ تمام فنون لطیفہ کا یہی کمال ہے۔ فقط

احمد حسین امین جنگ

امین منزل سعید آباد دکن  
۵ رذیحہ ۱۳۵۲ھ

^

# حضرت امجد کی شاعری

چودھویں صدی ہجری کے شعرائے اردو میں حضرت امجد اپنے کلام کے لحاظ سے آسمان شاعری کے ہنرناہاں قرار دئے جاسکتے ہیں۔ یہ امر سرگز مبالغہ نہیں ہے کہ موجودہ زمانہ میں آپ کی شاعری اپنی آپ ہی نظیر ہے، حال میں مجلس دار المصنفین نے آپ کے حکیمانہ اور فلسفیانہ خصوصیات کے باعث حکیم الشعراء سے آپ کو ملقب کیا ہے۔ چنانچہ اس کی وجہ مولانا سید سلیمان صاحب ناظم دار المصنفین کے الفاظ میں حسب ذیل ہے:-

”معارف کا شیوہ نہیں کہ شاعروں کو خطابات ہائے لیکن حضرت امجد کی فوجہ نو حکمت آموز شاعری نے اس کو اعترافِ فضل پر مجبور کیا اور لفظ حکیم الشعراء سے واقعہ کا اظہار کیا ہے“

رسالہ معارفِ ضروری ۱۹۳۳ء

حضرت امجد کے کلام کو چار اصناف میں تقسیم کر سکتے ہیں:- نظمیں، تفسیہیں، غزلیں، رباعیاں مگر ان کی صراحت کرنے سے پہلے مختصر طور پر آپ کے حالاتِ زندگی پیش کئے جاتے ہیں۔

**نام و نسب وغیرہ** حضرت امجد کا نام سید احمد حسین اور تخلص امجد ہے۔ آپ حیدرآباد صوفی سید حرم علی صاحب تھے۔ اور آپ کی والدہ کا نام صوفیہ تھیں۔

پیدائش کا صحیح سنہ معلوم نہیں۔ سنہ ۱۳۱۵ھ کے چار پانچ سال بعد آپ کی پیدائش

مدرجہ بروزد و تشبہ ہوئی۔ اس لحاظ سے آپ کی پیدائش سن ۱۲۳۷ھ قرار نہ سکتے ہیں۔ آپ کی عمر صرف چالیس دن کی تھی کہ آپ کے والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ یتیم کی پرورش کا پورا بار بیوہ ماں کے ذمہ عائد ہوا۔ انہیں کے زیر سایہ آپ جوان ہوئے جو سن ۱۲۴۷ھ کی رود موسیٰ کی قیامت خیز طغیانی میں نذرِ سیلاب ہو گئیں۔

**تعلیم و تربیت** تین برس کی عمر سے آپ کو لکھنے پڑھنے کا شوق تھا۔ کاغذ۔ تختے اور درو دیوار پر شوقِ مشق ہو ا کرتی۔ آرٹھی سیدھی لکیریں کینچ کر اس شوق کا ثبوت دیا کرتے۔ مگر اس کے بعد جب تعلیم کی ابتدا ہوئی تو شروع شروع میں آپ کو تعلیم سے زیادہ رغبت نہیں تھی، چونکہ حافظہ ذہین تھا جو کچھ پڑھتے وہ پتہ کی لکیر ہو جاتا۔ ابتدائی کتب کی تعلیم کے بعد آپ مدرسہ نظامیہ میں شریک ہوئے لیکن وہاں بھی باقاعدہ تعلیم نہیں پائی۔ خانگی طور پر درس کا سلسلہ ہی جاری تھا۔ علامہ سید علی سوشتری سادات الملک مرحوم سے فارسی اور عربی کی تعلیم حاصل کی پنجاب یونیورسٹی کے امتحان منشی۔ منشی عالم اور منشی فاضل میں کامیاب ہوئے۔ ملازمت کے بعد بھی طالبِ علمی کا سلسلہ جاری تھا۔ اُستاد فلسفہ مولانا سید نادر الدین مرحوم سے جو علامہ عبدالحق خیر آبادی کے شاگرد رشید تھے فیض حاصل کیا۔

**ملازمت** آپ کا کوئی سرپرست نہیں تھا، بیوہ ماں آپ کی پرورش کی کفالتیں تھیں اس لئے آپ کو جلد ملازمت کی فکر کرنی پڑی۔ اولاً بنگلور جا کر خانگی طور پر ایک پارسی ڈاکٹر کو فارسی تعلیم دینے لگے۔ اسکے بعد بنگلور کے سرکاری مدرسہ میں آپ کا تقرر ہوا۔ مگر کچھ عرصہ بعد اس کو ترک کر کے اپنے وطن حیدرآباد آ گئے اور یہاں مدرسہ دارالعلوم میں مدسی کی خدمت پر مامور ہوئے۔ چند سال کے بعد دفتر صدر محاسبی میں منتقل ہو گئے

اور اب تک اسی دفتر میں منتظمی کی خدمت انجام دیتے ہیں۔  
 آپ کو پندرہ سال کی عمر سے شاعری کا شوق ہے۔ شیخ ناسرخ کے دیوان  
 شاعری کے مطالعہ سے اس شوق کی ابتدا ہوئی۔

نہیں غم گرچہ دشمن ہو گیا ہے آسماں اپنا  
 مگر یارب، نہ ہو، نا مہرباں وہ مہرباں اپنا

آپ کا پہلا اُردو شعر ہے۔ اسی طرح فارسی کا پہلا شعر حسب ذیل ہے۔  
 بانِ ساینہ نصفِ انہارم پیش پا اُفتد اگر خورشیدِ محشر انظر برداغ با اُفتد  
 چند ابتدائی اُردو غزلیں حبیب کنتوری کو دیکھائیں اور کچھ فارسی کلامِ غلامی ترکی کو بتایا  
 مگر اس کے بعد کسی سے اصلاح لینے کی ضرورت نہیں ہوئی۔ اس طرح آپ فطرتی شاعر  
 ہیں۔ آپ کا ابتدائی کلام غزل اور رباعیات طفیلی رود موسیٰ میں دیرا بُرد ہو گیا، جو کلام آپ  
 کا اب تک شائع ہوا چھ ۱۳۲۶ھ کے بعد کا ہے۔

تصانیف سب سے پہلے آپ کی ایک سو رباعیات شائع ہوئیں مگر اب یہ نایاب  
 ہیں۔ اس کے بعد اب تک جو تصانیف نظم و نثر شائع ہوئیں وہ حسب

ذیل ہیں۔

”ریاضِ امجد“ حصہ اول و دوم۔ ان میں آپ کی نظمیں اور تلمینیں اور کچھ قطعاً  
 ہیں ”خزقۃ امجد“ اس میں تین نظمیں نعت اور تصوف کی ہیں۔ ”رباعیات امجد“  
 حصہ اول اور دوم۔ ”نذر امجد“ اس میں تمام تر نعتیہ کلام ہے۔ ”جمال امجد“ اور  
 ”حج امجد“۔ ”میاں بی بی کی کہانی“ یہ تینوں کتابیں نثر میں ہیں۔

”جمال امجد“ خود نوشتہ حالاتِ زندگی ہیں۔ آپ کی یہ کتاب نہایت معرکہ کی

تصنیف ہے بلکہ شاہکار ہے۔ یہ درحقیقت حقیقت کا مخزن تصوف اور حالِ قال کا مرقع ہے جو دیدہ بصیرت کے لئے آئینہ حقیقت ہے،

”جج امجد“ اگرچہ آپ کا سفر نامہ حج ہے مگر عام سفر ناموں سے اس کو کوئی نسبت نہیں۔ اس کا انداز ہی کچھ اور ہے۔

حالِ قال اگرچہ آپ صوفی خاندان کے ایک فرد ہونے کے لحاظ سے صوفی ہیں مگر موجودہ زمانہ کے فقیروں سے آپ کو کوئی مناسبت نہیں۔

اگرچہ آپ مرشدِ کامل ہیں مگر آجکل کی طرح پیری مریدی نہیں کرتے۔ آپ اپنی محنت سے روزی کماتے اور غریبوں کی دستگیری فرماتے ہیں۔ متواضع، منکسر المزاج ہیں۔ سادگی اور صفائی آپ کے جوہر ہیں۔ آپ کا ہر لفظ والا یہ تصور کرتا ہے کہ مجھ سے زیادہ کسی پر آپ کی نظر عنایت نہیں۔ دنیا دار آپ کو اپنی طرح تصور کرتے ہیں مگر صاحبِ حال اس حقیقت کو جانتے ہیں کہ

”پایا مقام اس کا مولیٰ تیری گلی میں“

آپ کی شاعری عام شعراء سے کوئی نسبت نہیں رکھتی جس طرح حضرت مرزا مظہر خواجہ میر درد، شاہ سراج اور نگلابادی، قاضی محمود بھری اور شاہ ذیم السبج پوری وغیرہم کی شاعری عشقِ حقیقی کی چاشنی رکھتی تھی اسی طرح آپ کی شاعری ہے۔

آپ ایک صاحبِ باطن صوفی صافی اور حقیقت نگار فطری شاعر ہیں۔ اس تفصیل کے بعد اب آپ کا کلام پیش کیا جاتا ہے۔

نظمیں حضرت امجد کی نظمیں پیش کرنے سے پیشتر کمالِ شاعری کے متعلق اظہارِ خیال کی ضرورت ہے، عام طور سے عمدہ نظم کے لئے تین امور نہایت ضروری ہیں

سادگی - نازک خیالی - ادراک تاثیر - جب تک ان میں سے کوئی نہ ہو کلام بہترین نہیں ہو سکتا۔

سادگی سے مراد یہ ہے کہ عبارت سچا پارہ ہو۔ اشعار صاف اور عام فہم ہوں۔ تو انین فطرت سے متجاوز نہ ہوں۔ نازک خیالی یہ ہے کہ شاعر اپنی نظم کو کبھی نہیں تشبیہوں اور تشکیلوں سے مڑھ کر کے اپنے کلام کو دلچسپ و دل آویز بنا دے اور پھر اس میں مبالغہ و تصنع نہ ہو۔ نازک خیالی کے ساتھ سادگی ہو۔ تاثیر کی کئی قسمیں ہیں، کوئی شاعر درد و غم سے اثر پیدا کرتا ہے، کوئی ہنسی مذاق سے تفریح طبع کا سامان پیدا کرتا ہے، کوئی حُسن و عشق کی تصویر کھینچتا ہے۔ کوئی پند و نصیحت کا دفتر کھولتا ہے، کوئی اخلاق کی خوبیاں بیان کرتا ہے، کوئی نیچرل و لفریبوں سے اپنے کلام میں اثر پیدا کرتا ہے۔

حضرت اجمد کے کلام سے سادگی اور صفائی بخوبی ظاہر ہوتی ہے، صفائی کے لحاظ سے آپ کے اشعار نظم نہیں مگر معلوم ہوتے ہیں۔ آپ کا کلام نہایت صاف اور عام فہم ہوتا ہے۔ ادق عربی اور فارسی کے لغات سے مملو نہیں ہوتا۔ صفائی اور سادگی کے لحاظ سے جہاں اپنا آپ نظیر ہے وہاں نازک خیالی اور لطیف تشکیلوں اور تشبیہوں سے چارچاند لگا جاتے ہیں۔ پھر یہ تشبیہیں اور استعارے تو انین فطرت سے متجاوز نہیں ہوتے، مبالغہ آمیزی نہیں ہوتی۔ سادگی کے ساتھ نازک خیالی سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے کلام میں نیگنے جڑے ہوئے ہیں جن کی صفائی اور چمک آنکھوں کو خیرہ نہیں کر دیتی بلکہ جاذب نظری سے اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے۔

جیسا کہ بیان کیا گیا تاثیر کی مختلف صورتیں ہیں، حضرت اجمد کا کلام کبھی تو درد و الم میں ڈوبا ہوا سوز و گداز کی تصویر ہوتا ہے تو کبھی پند و نصیحت کا آئینہ، میرے خیال میں

کسی شاعر کے کلام کی سب سے بڑی خوبی انزہی حب تک وہ کلام سننے والوں کو سحر نہ کر دے اور اس سے دلوں پر اثر نہ ہو ہرگز وہ شاعر کامیاب شاعر نہیں قرار دیا جاسکتا۔ انزہ کے متعلق خود حضرت امجد نے ایک قطعہ انشا فرمایا ہے جو گویا حقیقتِ نفسِ لامر ہے

کلام ایسا سننا ہو گا تم نے سنا آج اور کل اثر دلیس اُترا  
 کو شعرا یا جو ہو بیسز خنجر ادہر نہ سے نکلا اُدھر دل میں اُترا

اس تفصیل کے بعد اب ہم اپنے دعوے کے ثبوت میں حضرت امجد کا کلام پیش کرتے ہیں۔ اولاً آپ کی نظمیں پیش کی جاتی ہیں۔ ان کو چند اقسام میں تقسیم کر سکتے ہیں۔ واقعہ نگاری۔ وصف نگاری اخلاقی نظمیں اور صوفیانہ نظمیں۔

واقعہ نگاری میں اس کلام کو داخل کیا جائے گا جو کسی واقعہ کا اظہار کرتا ہو۔ حضرت امجد کی نظمیں ”قیامتِ صغریٰ“ و ”قتیلِ حبیب“ ”ایک بیس کا خواب“ وغیرہ اسی قسم کی نظمیں ہیں۔

۱۳۲۶ء میں حیدرآباد میں رود موسیٰ کو جو نیا مست خیر طغیانی ہوئی تھی وہ ایک مشہور واقعہ ہے۔ کئی دن کی مسلسل بارش سے صدماتِ تاب ٹوٹ گئے اور رود موسیٰ میں فتنہ کے ساتھ پانی آگیا۔ اس طغیانی سے بیسیوں محلے اُجر لگے، صدماتِ مکان برباد ہو گئے۔

ہزاروں آدمی نذر اجل اور ہزاروں بے خانماں ہو گئے۔ چونکہ حضرت امجد کا مکان بھی نزدیکی کے قریب تھا اس لئے پانی کی زد میں آکر اس کا نام و نشان تک باقی نہیں رہا۔ رات کے وقت پانی کی آمد شروع ہوئی۔ آٹھ بجے تک گھٹنوں گھٹنوں پانی آگیا، آپ مع اہل عیال اپنے گھر سے نکل کر ایک دوسرے پاس کے مکان میں چو نہایت مستحکم اور مرتفع تھا

چلے گئے مگر تھوڑی دیر کے بعد اس مکان میں ہی پانی آگیا، اس کے درو دیوار گرنے لگے  
 آخر صبح صبح آپ مع بی بی دختر اور والدہ چاروں کے چاروں پانی میں بننے لگے تینوں  
 کو تو موجوں نے اپنے دامن میں سمیٹ لیا صرف ذاتِ اجداد اس طوفانِ بلا سے بچ گئی۔  
 اس واقعہ کے متعلق آپ کی نظم ”قیامتِ صغریٰ“ سے موسوم ہے۔ اس کا ہر شعر  
 سوز و گداز سے در دوالم کا دریا ہے، حرف نہیں نشتر ہیں، ناوک ہیں جو دل کو چھلنی  
 کئے بغیر نہیں رہتے، وہ کونسا دل ہے جو اس نظم کے پڑھنے کے بعد چاک نہیں ہو جاتا  
 وہ کونسی آنکھ ہے جو اشکبار نہیں ہو جاتی، تاریکی کی حالت، بارش کی کیفیت، مخلوق  
 کی بے حسنی، مکانات کا گرنا، لوگوں کا چیننا، پانی کا گھٹنوں تک آنا، گھٹنوں سے کر،  
 کمپے سینہ، سینے سے حلق تک پہنچنا، پانی میں شب بہ رہنا، صبح صبح تارے کی طرح  
 ڈوب جانا، اپنے کلیجے کے ٹکڑے کو اپنی آنکھوں کے سامنے ڈبستے دیکھنا اور امداد نہ کر سیکنا  
 حسرت کے ساتھ دیکھتے رہ جانا، ان تمام واقعات کے اظہار سے عینی تصویر سامنے آجاتی  
 ہے، کچھ نمونہ ملاحظہ ہو۔

ابتداء:-

انباپ سے بچھڑا ہوا بچوں سے جدا ہوں  
 معلوم نہیں خود مجھے میں کون ہوں، کیا ہوں  
 وہ عالم حیرت ہی کہ کچھ کہہ نہیں سکتا  
 بارش کی لگاتار جھڑی سرد ہوا میں  
 وہ مانگتا ہر ایک کا رورور کے دعائیں  
 پتھر کا کلیجہ ہو جسے دیکھ کے پانی

میں مورِ حیران و گرفتار بلا ہوں  
 گم جو نفساں ہوں کہہ ہی مصروفِ بجا ہوں  
 بیہوش کہہ ہی ہوں کہہ ہی ہو جاتا ہو سکتا  
 وہ رات کا ستناٹا وہ گھنٹور گھٹائیں  
 گزرا وہ مکانات کا وہ چیخوں کی صدائیں  
 پانی کا وہ زور اور وہ دریا کی روانی

تھی زندگی خرد و کلاں نقش بر آب آہ  
 طوطے کی طرح آنکھیں بہتے تھے حباب آہ  
 بوجہ نہیں تیوریاں موجود کی حشر ہی تھیں  
 سیلاب فنا بن گئے کیا سب کا صفا یا  
 آگے جو بڑا موت نے بس حلق دیا یا  
 ہوتے ہی خرد و بگئے تارے کے مانند  
 بی بی کہیں، اور یہی کہیں توڑتی تھی دم  
 کیوں رات نہ ہو ڈوب گیا نیز اعظم  
 وہ غم تھا کہ دنیا کو نظر آنے لگے تارے  
 دستِ ستم سیلِ فنا سے نہ چھڑایا  
 کیا بھولی سی صورت پہ اُسے رحم نہ آیا  
 سیلاب میں بہ جاتے تری نہی سی جان

یہ طویل نظم ہے، آخری بند حسب ذیل ہے:-

میں خاک پہ گرنے کو ہوں لوجہ سنبھا لو  
 اک بار ذرا پھر مجھے چھاتی سے لگا لو  
 دنیا میں بغیر آئیے راحت نہیں اماں

دم لینے کی طاقت تھی یہ مستانے کی تاب  
 کرتی تھی الگ سیل رواں خانہ خراب آہ  
 جان لینے کو ہر اک تنفس کے برہی تھیں  
 تار کیسی میں دیرانے اک اندھیر مچا یا  
 پاؤں سے گزرتا ہوا پھر سینہ تک آیا  
 نسب بہرے سب پانی میں فواری کے مانند  
 باؤں میں، اور میں کہیں با دیدہ پرنم  
 عالم میں نظر آتا نہاتا ریکی کا عالم  
 سب نے آنکھوں کو نماں ہو گئی پیائے  
 بیٹی بانہ تجھے باپ نے افسوس بچا یا  
 دیرانے ترے حال پہ پچھہ رحم نہ کہا یا  
 یہ جسم ترا پھول سا دیواروں سے ٹکرائے

اللہ یہ بگڑی ہوئی تقیر بنا لو  
 احمد کو جی اعظم کی طرح پاس بلا لو  
 دلیں مے اب صبر کی طاقت نہیں اب

پندرہ میں سال قبل گلکتہ میں ایک افسوس ناک حادثہ ہوا تھا۔ عام طور سے بنگال میں رواج تھا کہ شادی کے وقت دلہن والوں کی جانب سے ایک بڑی رقم دو لاکھ کو دی جاتی۔ دو لاکھ والے بڑی بڑی رقموں کا مطالبہ کرتے تھے۔ دلہن کے غریب والدین کو اس سے پریشانی ہوتی تھی۔ ایک غریب مگر تعلیم یافتہ خاتون اسنو ہیلتا تھی، اس کو اپنے والدین کی فکر اور پریشانی نے اس امر پر مجبور کر دیا کہ اپنی جان دے کر ان کو پریشانی سے آزاد کر دے۔ ایک دن اس نے اپنے آپ کو جل کر خاتمہ کر لیا۔ اس افسوس ناک واقعہ کے بعد تمام بنگالیوں نے رقمی مطالبہ سے توبہ کر لی۔

حضرت امجد نے اس واقعہ کو "قتیل جفا اسنو ہیلتا" کے نام سے نظم کیا ہے۔ ذات امجد واقعہ کی چشم دید نہیں تھی اخبارات سے معلوم شدہ حالات کی بناء پر نظم لکھی گئی مگر اس کے باوجود اس خوبی سے اس کو نظم کیا ہے کہ شاعر کا چشم دید واقعہ معلوم ہوتا ہے۔  
نمونہ ملاحظہ ہو:۔

ایک لڑکی تھی کہیں سنہیلتا	جسکا سن تھا تیرہ چودہ سال کا
دلربا انداز مکھڑا چاند سا	دیکھتا جو کوئی کھستا بر ملا
سحر دار نرگس جادوئے تو	کرد سنبل را پریشاں موئے تو
دیکھ کر اسکا شباب اور سن و سال	باپ کو آتا تھا شادی کا خیال
تھا مگر افلاس سے آشفتہ حال	سخت تھا لڑکے والوں کا سوال
مانگتے تھے وہ کم از کم دو ہزار	کس طرح بکس اٹھا سکتا یہ بار
چاہتا تھا بیچ دے رہنے کا گھر	جھونپڑے میں زندگی کر لے بس
بار جو کچھ ہوا اٹھالے اپنے سر	دستگیر بکیاں ہے پر میشر

ورنہ عزت چار میں گھٹ جائیگی  
 کرتے تھے سنہیلتا کی شادی کی بات  
 آبرو انسان کی ہے دولت کے ہات  
 زر تو اند قطرہ راگو ہر کند  
 بات ان کی کان میں اس کے پڑی  
 لیک تھی چھٹپن میں فہمیدہ بڑی  
 آہ وہ غش کما گئی اپنی جسگہ  
 آہ توف ہے زندگانی پر مری  
 ہاے میں کبخت کیوں پیدا ہوئی  
 جاے شیرم زہر زادے مادرم  
 وہ اٹھائے بنج و غم میرے لئے  
 بیچ کر گھر دے رقم میرے لئے  
 اب وہ بیٹی کا کریں کر یا کرم

زندگی جیسے بنے کٹ جائے گی  
 ملکہ اک دن شوہر ذرن سا سا  
 کہتے تھے افلاس میں ہیں مشکلات  
 زر تو اند ذرہ رااختہ کند  
 پاس پردہ کے تھی سنہیلتا کٹری  
 آگئی سنٹائے میں اک دو گھڑی  
 سوچ کر کچھ آگئی اپنی جسگہ  
 اٹھ کے پہر بستر سے وہ کہنے لگی  
 میری خاطر باپ پر پیتا پڑی  
 خوب بوٹے گردنہ زادے مادرم  
 باپ پر ٹوٹے ستم میرے لئے  
 میں سوہوں کم سے کم میرے لئے  
 انے کہہ دے کوئی ازراہ کرم

شمع تھی کافور کی گلنے لگی  
 ہاتھ غم سے موت بھی ملنے لگی  
 چاند سی صورت ہوئی آخر تمام

سہ پہ روغن ڈال کر جلنے لگی  
 زندگی کی دو پہر ڈھلنے لگی  
 ہوگئی جل اُس کے ٹہنڈی شعلہ نام

اس کے بعد مزید بند ہیں جس میں رسم بد کی خرابی، ماں باپ کے غم و الم پر اظہار

خیال ہوا ہے۔

”ایک بکس کا خواب“ میں اپنے خواب کے واقعات تفصیل سے بیان کئے ہیں، ماں کو حالتِ خواب میں دیکھنا اور ان سے گفتگو وغیرہ کو نہایت سترح و سبط سے بیان کیا ہے۔

وصف نگاری اور مناظرِ قدرت پر اظہارِ خیال کو ایک ہی تصور کیا جاتا ہے حالانکہ دونوں میں فرق ہے۔ مناظرِ قدرت سے انسانی جذبات متاثر ہوتے ہیں اس لئے اس میں جذبہ انگیز چیریں داخل ہو گئیں مثلاً چاندنی رات، بارش، موسمِ بہار کی کیفیت۔ آنتار، پہاڑ، جنگل وغیرہ اور وصف نگاری میں ان کو داخل کیا جائیگا۔ جن کے لئے جذبات کی تحریک کی ضرورت نہیں ہے۔ بلکہ قدرت کے موجودات کی حقیقت اور حالت یا ان کے نمایاں اوصاف بیان کئے جائیں۔

حضرت امجد کی نظیں اس موضوع پر بھی ہیں جن کے مطالعہ سے بخوبی معلوم ہو سکتا ہے کہ کس طرح آپ نے وصف نگاری کا حق ادا کیا ہے۔ میری قمری، ماں اور بچی، یتیم کی دعا وغیرہ اسی قسم کی نظیں ہیں۔ نمونہ ملاحظہ ہو:۔

## میری قمری

ہم نے قمری عجیب پالی ہے	منظرِ نغمہ بلالی ہے
کیا ہی نازوں سے اسکو پالا ہے	نفسِ نقرئی میں ڈالا ہے
قمریاں پونہ دیکھی بھالی ہیں	اسکی باتیں مگر نرالی ہیں
گیتِ توحید کا سُنا تی ہے	راہِ حق کی طرف بلا تی ہے

پیاری پیاری وہ نور کی گردن  
 جس پہ قربان حور کی گردن  
 لال لال اسکی نرگس گلگام  
 یاہرا ہے شرابِ سُرخ کا جام  
 اسپہ طرہ ہے سرخی منتقار  
 گل سمجھ کر نہ کر لے بلبیل پیار  
 رنگ منتقار انخواں یک سر  
 یاد مٹھی پان کی ہے ہونٹوں پر  
 یا کوئی ناخن حسائی ہے  
 ہسے کیا سُرخ چوچ پائی ہے  
 پاؤں بھی سُرخ رنگ بستہ ہے  
 دل خنا کا اسی سے پتا ہے  
 زینب زینت اسکی ان بن ہے  
 سادگی میں ہزار جوین ہے

طویل نظم ہے۔ ماں اور بچی والی نظم میں بچی کی زبان سے گلاب کے پھول پر اظہارِ خیال ہوا ہے، دعائے یتیم میں یتیم کی دعا کا ذکر ہے۔ یہ نظم سوز و گداز کے لحاظ سے خاص طور پر قابل ذکر ہے، یوں تو اُمجد کا پورا کلام سوز و گداز سے ملبوس ہے مگر اس نظم میں اس کی اتنا ہو گئی ہے، بطور نمونہ کچھ حصہ ملاحظہ ہو:—

## یتیم لڑکی کی دعا

مقصد مراد ملا دے او آسمان والے  
 قسمت مری جگا دے او آسمان والے  
 گم گشتہ کا پتا دے او آسمان والے  
 راہِ عدم بتا دے او آسمان والے  
 ماں باپ سے ملا دے او آسمان والے  
 ہر خطہ چشم تر ہوں دوزات نوہ گر ہوں  
 اتنی خبر نہیں ہے میں کون ہوں کدھر ہوں  
 ماتم میں دارتوں کے دنیا سے بخیر ہوں  
 اس کسنی میں ہی چہ بے مادر و پدر ہوں  
 ماں باپ سے ملا دے او آسمان والے

ظالم اجل نے بالکل تماراج کر دیا گھر  
اب پیار کرنے والا کوئی نہیں ہو دم بھر  
سب چل بے عدم کو اب باپ ہی نہ ماور  
آنکھیں لگی ہیں سیری مالک تمہے کرم پر

ماں باپ سے ملا دے او آسمان والے

او آسمان سنگمگر مجھ پر نہ یوں ستم کر  
او باغبانِ قدرت شاخِ الم تسلیم کر  
کم عمر خستہ جاں پر اب جو رو ظلم کم کر  
بیواڑوں کے وارث بیکس پہ ہی کرم کر

ماں باپ سے ملا دے او آسمان والے

ہاتھ میں ہمدیوں کے دم اپنا توڑتی ہوں  
بابِ کرم پہ تیرے سراپنا پھوڑتی ہوں  
دنیائے مجھ کو چھوڑا میں اسکو چھوڑتی ہوں  
مرنت سے تیرے آگے اب ہاتھ جوڑتی ہوں

ماں باپ سے ملا دے او آسمان والے

اخلاقی نظمیں ہماری قدیم شاعری میں اخلاقی شاعری کا بھی عنصر ہوتا تھا  
اخلاقی عنوانات زہد و توکل، قناعت وغیرہ پر متفرق اشعار اور  
قطععات ملتے ہیں مگر جدید شاعری میں اخلاق کے مختلف شعبوں مثلاً صبر و محبت، اتفاق  
اتحاد، ہمت و استقلال وغیرہ عنوانات پر کثرت سے نظمیں لکھی گئی ہیں۔

حضرت امجد کا یہ موضوع خاص ہے، اسپر بے شمار رباعیاں لکھی گئی ہیں۔ ان سے  
قطع نظر کہیونکہ ان کی صراحت آگے آئے گی) امجد کی مختلف نظمیں بھی اس عنوان  
کے تحت آسکتی ہیں جن میں سے بعض کے عنوان حسب ذیل ہیں:۔

حاجت بسیار نیست، خموشی معنی دارد، من نفع شایع، وغیرہم

نمونہ ملاحظہ ہو:۔

## خوشی معنی دار دکھ و گفتن نمی آید

خالق نے عطا کیا تھا اک شہزادہ  
جسکا ثانی کسی نے دیکھا نہ سنا  
اسنے یک سخت بولنا چھوڑ دیا  
بیچاے کو گویا ہو گیا تھا سکتا  
لیکن اسکو نہ بولنا تھا اصلا

کہتے ہیں کسی بادشاہ عادل کو  
ہشیار سجدار ذکی و عاقل  
اللہ آمین سے جب سنبھالا کچھ ہوش  
لب پہ کچھ ایسی لگ گئی مہر سکوت  
ہر چند بہت ہی کوششیں کیں سب

لیکر بندوق اک شکاری دڑا  
آواز کے ساتھ ہی وہ ڈالی سے گرا  
اسوقت یہ شہزادے نے فرمایا  
کبخت نہ بولتا نہ مارا جاتا

ناگاکسی شاخ پہ بولا طائر  
آواز کی سمت بس چلا دی بندوق  
دی جان پھڑک پھڑک کر جب طائر نے  
دیکھا انجام بولنے کا تم نے

دیگر

علم تم کو کرے گا دولت مند  
مال و دولت کو ہیں ہزار گزند  
خود بنو ہو شیار دانشمند  
نہیں دولت کسی جگہ پابند  
بے وقاہے زرو گھر کا سمند

کبھی میراث پر نظر نہ کرو  
دولت علم کو زوال نہیں  
باپ کے مال پر نہ اتراؤ  
ہاں زمانہ کا اعتبار نہیں  
بے مروت ہے طائر اقبال

صوفیانہ نظئیں :- اخلاقی مباحث کی طرح تصوف بھی حضرت امجد کا خاص حصہ ہے۔ جس طرح قدیم شعراء کے دیوان اس موضوع سے بھرے ہیں اسی طرح موجودہ عصر کے شعراء کا کلام بھی اس عنوان پر درنتر بے پایاں رکھتا ہے۔

حسن و عشق شاعری کا عام موضوع ہے مگر اس عنوان کی اُردو شعراء نے جوٹی پلید کی ہے وہ ایک حقیقتِ نفس الامر ہے۔ عشقیہ کلام سے شعراء کے دیوان پر ہیں مگر حقیقت سے دور اور اصیلت سے کچھ بھی تعلق نہیں رکھتے، ان کا معشوق یا تو فرضی ہوتا ہے یا بازاری اور اس کی تعریف میں جو موثر گانی ہوتی ہے وہ انظر من الشمس ہے معشوق بے وفائی، بے مردتی، جو روحفا، ظلم و ستم کے اوصاف سے متصف ہوتا ہے اور پھر اس کے حسن و انداز غمزہ و کرشمہ کی جو تعریف جس مبالغہ آمیزی اور رنگ آمیزی سے کی جاتی ہے وہ بھی معلوم ہے۔ اس بے سرو پا مبالغہ آمیزی کے باعث ایک گروہ

اس کا مدعی ہو گیا ہے۔ کہ اُردو شاعری میں سوائے جھوٹ اور مبالغہ آمیزی کے کچھ ہے ہی نہیں۔ عشق حقیقی سے ہمارے اکثر شعراء نا آشنا ہوتے ہیں اور پھر پردہ کے باعث ان کو کوئی معشوق نظر ہی نہیں آتا جس کی مدح سرائی میں رطب للسان ہونے شاہانِ بازاری ان ہی اوصاف کے حامل ہوتے ہیں جن کا اظہار ہمارے شعراء نے کیا ہے۔

کسی شاہدِ بازاری سے مہر وفا کی اُمید کرنا مردّت اور رحم کی توقع رکھنا جس طرح محال اور ناممکن ہے وہ ظاہر ہے لہذا شعراء کو ان کے ظلم و ستم کا نالہ کرنا ان کی ہرجائی اور جفاکشی پر زونا آنسو بہانا بجا تھا۔ مگر سوال یہ ہے کہ عشق حقیقی کو چوڑ کر عشق غیر حقیقی کی طرف مائل کیوں ہوئے اور کیوں ہرجائی معشوق کا انتخاب کیا۔

عشق حقیقی پر اظہارِ خیال کرنا کوئی آسان امر نہیں ہے، ہمارے قدیم شعراء سے

حضرت منظر۔ خواجہ درد قاضی محمود بھری۔ شاہ سراج اوزنگ آبادی اور شاہ ندیم اللہ  
بیجاپوری وغیرہ کی شاعری بیشک عشق حقیقی کا منظر ہے۔ موجودہ عہد کے شعراء میں سے  
بہت کم ایسے ہیں جن کے کلام میں عشق حقیقی کا جلوہ نظر آتا ہو۔

حضرت امجد نہ صرف ایک صوفی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں بلکہ خود ہی ایک بلند  
مرتبہ صوفی ہیں جیسا کہ بیان کیا گیا ہے، آپ کا کلام قال نہیں بلکہ حال ہوتا ہے۔  
آورد نہیں بلکہ آمد ہوتا ہے۔ حالت کیف میں جو کچھ گزرتا اور نظر آتا ہے وہی زبان او  
قلم سے نکلتا اور ادا ہوتا ہے۔

ہمارے قدیم شعراء نے عموماً غزلوں میں اس عنوان پر طبع آزمائی کی ہے مگر حضرت  
امجد کی مختلف نظمیں ہی اس عنوان کے تحت آتی ہیں ”ریاض امجد“ حصہ اول کے  
بعض عنوان حسب ذیل ہیں۔

صدائے دردیش۔ دربار خواجہ۔ جوشِ رحمت۔ فریادِ مجنوں۔ دنیا اور انسان  
تُوپی کے سوکوں۔ عاشق کا جنازہ۔ مجلسِ سماع۔ پیٹ کا ظلم۔ کولمہ بھئی نہ را کھ۔  
”ریاض امجد“ حصہ دوم کے بعض عنوان یہ ہیں۔ دلا رطب دلا یابس۔ سجان بی  
الاعلیٰ۔ رحمتی وسعت کل شئی۔ حکایت و تسکایت۔ ادعوار یکم تضرعاً۔ ہوا کھٹا کبھی۔  
اذا سالک عبادی عنی فانی قریب۔ میرا رام کہاں ہے۔ فی الموت حیوٰۃ میکالمہ جان تن  
قل متاع الدنیا قلیل وغیرہ ”خرقہ امجد“ کی تیسوں نظمیں تمام تر صوفیانہ ہیں۔  
ذیل میں آپ کے صوفیانہ کلام کا نمونہ پیش کیا جاتا ہے:-

کولمہ بھئی نہ را کھ

سنا بکھلنے پائے اکدن دیدہ ہجرت نامیرے جوانی جا کچی اب رو بہ پیری ہیں تو می میے

جہاں کا ذرہ ذرہ کا رآمد ہے سو امیرے  
 میں پاپن اسی جلی نہ کوئلہ بہی نہ راگھ  
 فروغ ضعیف مٹجائے تو ہوں انوارِ خورشید  
 ملے جب خاکیں دانہ تو ہو برگ و ثمر پیدا  
 میں پاپن اسی جلی نہ کوئلہ بہی نہ راگھ  
 یہی خونِ جم کے ہو جاتا ہی غنبر، گاؤ غنبر میں  
 شجر سو کھئے تو ککڑی بکئے جلجا تا ہے مچھر میں  
 میں پاپن اسی جلی نہ کوئلہ بہی نہ راگھ  
 کبھی پانی ہوا ہو جاتا ہے گلہے ہو پانی  
 مگر اپنی تباہی پر مجھے ہے سخت حیرانی  
 میں پاپن اسی جلی نہ کوئلہ بہی نہ راگھ  
 سنا ہی بال گل کر سنا پ ہو جاتا ہی پانی میں  
 بگڑ کر کچھ نہ کچھ بنتی ہی ہر شے دہر فانی میں  
 میں پاپن اسی جلی نہ کوئلہ بہی نہ راگھ

اس نظم سے آپ کے فلسفیانہ انداز کا بھی بخوبی علم ہو سکتا ہے۔ عالم کی متغیر حالت کا جو صحیح نقشہ زمانہ موجودہ کے سائنس کے موافق کہینچا ہے وہ قابلِ غور ہے۔  
 جوشِ رحمت والی نظم میں بتایا گیا ہے کہ ایک خدا ترس نیک شخص شب روزِ مصروف  
 عبادت رہا کرتا تھا۔ اس کو صدا کے غیب آئی کہ تیری عبادت مقبول نہیں مگر دین  
 کے پکے لئے اپنا کام نہ چھوڑا۔ ایک مرید نے کہا ہوش میں آؤ جہاں دینے والا ہی نہیں

نہ سمجھا آج تک میں کیوں بنا ہوں بخدا میرے  
 لکڑی جل کوئلہ بہی اور کوئلہ جل بہی راگھ  
 فنا سے تیری نسبت ہو نورِ سحر پیدا  
 بدجائے اگر قطرہ کی حالت ہو گھر پیدا  
 لکڑی جل کوئلہ بہی اور کوئلہ جل بہی راگھ  
 غذا کھیل ہو کر خون بن جاتی ہے پیکر میں  
 مخمر سہ کے کام آتی ہے ٹی جام و ساغر میں  
 لکڑی جل کوئلہ بہی اور کوئلہ جل بہی راگھ  
 محلِ صد تغیر ہے ہمیشہ عالمِ فانی  
 بدلتی ہیں ہزاروں صوتیں طبعِ ہیولانی  
 لکڑی جل کوئلہ بہی اور کوئلہ جل بہی راگھ  
 ہو پیدا ہو حجاب و موجِ دریا کی روانی میں  
 ہمیشہ نئی حالت ہے دورِ آسمانی میں  
 لکڑی جل کوئلہ بہی اور کوئلہ جل بہی راگھ

پہرنا گئے سے کیا فائدہ۔ اس نے جواب دیا تیری نصیحت صحیح مگر میں اس کریم سے  
بڑھ کر کس کو پاؤں گا کہ اس کے دروازہ پر چلاؤں اور صدا دوں۔

کسا اتنا اور پھر بسوز و گداز  
سوا تیرے ہے کون فرما دیرس  
تو ہے رحم فرمائے حال سقیم  
دیریں بیکسی چون خواہم تڑا =  
ترتیب کرتا نام لیتا ہوں میں  
نہ محروم کر رحمت عام سے  
نہ جاؤنگا اس در سے میں بے نصیب  
سزا تو جو ہے میں سزا دار ہوں  
نہ منہ پھیر اس مغذرت خواہ سے  
مرا چوں تو دیگر نیفتد کسے  
پہر تو رحمتِ خدا جوش میں آتی ہے اور صدائے غیب آتی ہے کہ :-

نظر ہے مری تیری رحمت پہ بس  
تجھے کہتے ہیں سب غفور الرحیم  
چو عاجز رہا بندہ دائم تڑا  
جگر غم سے جب تھام لیتا ہوں میں  
تسلی ہے میری تیرے نام سے  
نہ دیکھوں گا حرام کی شکلِ مہیب  
یہ مانا کہ بے حد گنہ گار ہوں  
مگر کہ نہ دور اپنی درگاہ سے  
تڑا بندہ از من بہ افتد بے  
پہر تو رحمتِ خدا جوش میں آتی ہے اور صدائے غیب آتی ہے کہ :-

فلسفہ موت و حیات کی تشبیح کو گیس قدر صاف اور عام فہم طریقہ سے  
ذہن نشین کرنے کی کوشش کی گئی ہے ملاحظہ ہو :-  
عالمِ ظاہر سے جب پھیری نگاہ  
سامنے تھا بادشاہ کج بکلاہ

سمجھ گئی جب مشعل نورِ نظر  
 جب سماعتِ سمع سے قاصر ہوئی  
 سامنے آنکھوں کے تہا زئبقِ قمر  
 اسکی آوازِ خفی ظاہر ہوئی  
 بوجہ وصلِ دوستِ راحت ہوئی  
 جب شمیمِ مشامہ رخصت ہوئی  
 بات کی اُس نے، میں جب چُپکے گیا  
 اسکو پایا آپ جب میں کھو گیا  
 اس اجل نے مجھکو اعلیٰ کر دیا  
 پائی قدموں میں جگہ جب سر دیا  
 اللہ اللہ جزوِ کُل سے مل گیا  
 بلبلِ بیتاب گل سے مل گیا

انسان کی ہستی ایک مختصر عالم ہے جس میں بیسیوں نہیں بلکہ ہزاروں کُل پرپزے  
 کار فرما ہیں اس کی تفصیل اور بہتر شاہد مقصود کا پتہ کس بہترین طریقہ سے چلایا گیا  
 ہے۔ اسکو ”میرامکان“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

تن کا حصار کینچا دل کا مکان بنایا  
 ڈالا خیال کا اک اشرِ لطیف پردہ  
 دروازہ عقل کا اک اس میں عجب لگایا  
 حو کو بنا کے درباں دروازہ پر بٹھایا  
 نورِ نظر کا اس میں روشن دیا جلایا  
 نورِ نظر کا اس میں روشن دیا جلایا  
 پھر روح بیکے اس میں خود آپ ہی سما یا  
 پھر روح بیکے اس میں خود آپ ہی سما یا  
 وہ بحرِ حُسن و خوبی کونے میں ہے سما یا  
 وہ بحرِ حُسن و خوبی کونے میں ہے سما یا  
 قرآن میں خود اُس نے اپنا پتہ بتایا  
 قرآن میں خود اُس نے اپنا پتہ بتایا  
 اس عکس ہی سے ہمیں شخصی نشان پایا  
 اس عکس ہی سے ہمیں شخصی نشان پایا  
 سنبھاری آگے کیوں اپنا سر جھکایا  
 سنبھاری آگے کیوں اپنا سر جھکایا  
 اپنی مکان ہی میں اس کا نشان پایا  
 اپنی مکان ہی میں اس کا نشان پایا  
 اُس کا وجود ہم میں موجود اگر نہیں ہے  
 اُس کا وجود ہم میں موجود اگر نہیں ہے  
 آج نے جستجو میں دنیا کی خاک چھانی  
 آج نے جستجو میں دنیا کی خاک چھانی

یہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ بہترین شاعری کے تین لوازم ہیں۔ سادگی، صفائی، نازک خیالی اور تاثیر پینینوں امور ایک جگہ بہت کم جمع ہوتے ہیں۔ مگر حضرت امجد کے کلام میں یہ تینوں امور ایک جگہ جمع ہیں۔ ایسی نظمیں ہی متعدد ہیں، ایک نظم کا کچھ حصہ ملاحظہ ہو:۔

عمر اک دن ہو کہ سو سال گزر جاتی ہے      دوش پر کلی ہو یا سناں گزر جاتی ہے  
گرا میروں کی بہ اقبال گزر جاتی ہے      بیسیوں کی بھی بہ حال گزر جاتی ہے  
از ہو سہا بگنر یا گنر می گنر

خاکیں کاخ نشیں خاک نشیں یکساں ہے      بند کی آنکھ تو پہر زشت و حسین یکساں ہے  
پیٹ میں تقمہ تر زمانِ جو میں یکساں ہے      آگئی نیند تو پہر فرشِ وز میں یکساں ہے  
از ہو سہا بگنر یا گنر می گنر

جی نہیں چاہتا افسوس مگر مرنا ہے      گرنیں خوفِ خداموت سے تو ڈرنا ہے  
بٹی پتھر سے غرضِ قعرِ شکم بھرنا ہے      جھونپڑی ہو کہ محل ہم کو بسر کرنا ہے  
از ہو سہا بگنر یا گنر می گنر

جیسا کہ بیان کیا گیا ہے کہ ”خزۃ امجد“ کی تیسوں نظمیں صوفیانہ ہیں ہر ایک ایک جداگانہ عنوان پر لکھی گئی ہے اکثر عنوان قرآن شریف کی کسی آیت کو قرار باگیا ہے۔ بعض عنوان یہ ہیں:۔

الایمان بین الخوف والرجا، اقیمو الصلوٰۃ، ما عبدناک حق عبادتک، منال  
نزدل، لاکھنا علی انفسنا اگر کم عند اللہ اتقاکم، ان اللہ لطیف بالعباد، قبر،

ترقی در تنزل وغیرہ۔

تصوف کا ایک اہم مسئلہ تنزیہ ہے، بڑے بڑے صوفیاء اس کے حل میں سرگردا رہے ہیں۔ صاف اور واضح طور سے بہت کم اس مسئلہ کو سمجھایا گیا ہے۔ حضرت امجد نے کس قدر صاف اور عام فہم الفاظ میں اسکی توضیح کی ہے وہ قابل تعریف ہے۔ پھر موجودہ سائنس کے مسائل کو نظر انداز نہیں کیا گیا ہے۔ حالانکہ حضرت امجد انگریزی سے ناواقف ہیں۔

تیزی کی بارگاہ سے آیا ہوں	میں دور دراز راہ سے آیا ہوں
پردہ میں جلال کے رہا ہوں برسوں	عالم میں خیال کے رہا ہوں برسوں
بلے صورتی اصل میں ہے صورت میری	ایتھڑ میں ہے جلوہ گر لطافت میری
ہے میرا ہی حکم علتِ حسن قبول	یہ مادیت ہے میری طاقت کا نزول
جلبابِ غیب میں رہا ہوں برسوں	الوانِ بحال میں رہا ہوں برسوں
میں مہر کبھی ہوا، کبھی ماہ ہوا	ہر راہ میں راہ رو کے ہمراہ ہوا
ہے میرا ہی نور جلوہ گر آسماں میں	میں ہی ہوں نہاں حقائقِ اشیاء میں
ہیں نامتناہی امتقانات مرے	ہیں نغم سے دور استحالات مرے
سترنا بقدمِ حقدہ لائیکل ہوں	میں مطلق کا تعین اول ہوں
کہنیا ہے نزول میں محبت نے مجھے	ڈالاز حمت میں میری رحمت نے مجھے
ظاہر ہو کمالِ حسن سے عشق کا رنگ	پیدا ہوا حالِ حسن سے عشق کا رنگ
وحدت کے سروادنی کا یاں نام نہیں	ہے صبح میری تو غیر کی شام نہیں

تزکیہ نفس ہی تصوف میں نہایت اہمیت رکھتا ہے۔ سب سے پہلے ہی زینہ طے کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، اس کے بعد کہیں سلوک کی منزل حاصل ہوتی ہے۔ جب تک تزکیہ نفس سے انسان اپنے جسم کو اور اپنے قلوب کو مصفا نہ کر لے اس وقت تک سلوک کا راستہ طے نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے صوفیائے کرام اپنی ریاضت میں تزکیہ نفس کو ہی مقدم قرار دیتے ہیں۔ نفس کو خواہشات مادی سے پاک کرنے کا نام تزکیہ نفس ہے۔ اہل کایان اتنی اہمیت نہیں رکھتا جتنا کہ اس پر عمل کرنا۔ حضرت امجد نے جو کچھ اس پر لکھا ہے وہ اپنے عمل کے بعد لکھا ہے اور ظاہر ہے جو امور عمل کے بعد لکھے گئے ہونگے وہ کس طرح با اثر اور مجرب ہوں گے۔ اس حیثیت سے حضرت امجد کی نظم تزکیہ نفس خاص اہمیت رکھتی ہے۔

پہنچے نہ ہوئے نفس ہو تک ہشیار	آئینہ پہ سانس سے نہ آجائے غبار
نشر نہ لگے رگِ گلہو پر ہشیار	لے آئے نہ اس کی آبرو پر ہشیار
چلنے ہی نہ دے ہوئے نفسانی کو	ہاں روک لے اس کشتی طوفانی کو
اے طالبِ نسبت نفسِ امارہ کو مار	ہے نفس ہی تیرا تیرا دشمن ہشیار
نفسِ امارہ مطمئن ہو جائے	ہو لطف نہ آپ آپسے کھو جائے
ہر سانس میں ارجعی کی آواز آئے	دم کے ہمراہ صدائے دم ساز آئے
مومن ہے اگر تو مان رب کا فرمان	شیطان کی پیروی نہ کرائے انسان
بتِ مادیت کا توڑ دے اے بندے	گندی خواہش کو چھوڑ دے اے بندے
اس نوش کے ساتھ نیش کا زہر ہی ہے	اس مہر کی آنکھوں میں نماں قہر ہی ہے
اے طالبِ حق ہاتھ اٹھانا حق سے	حق کو اودھ کر دینا نا حق سے

ہاں دیر نہ کر لگائے اک وار کہیں  
 ہو جائے حلالِ نفس مُردار کہیں  
 دل ہے وہی پاک ہو محبتِ جس میں  
 اچھی ہو وہ بات ہو صداقتِ جس میں  
 اُلفت میں اگر لے لے مسدِ سمجھ  
 گریزِ محبت میں لے شمسِ سمجھ  
 اسرارِ خدا کی ہے یہی اک کُنجی  
 کھلتا ہے اسی سے قفلِ کنزِ مخفی  
 اجبت اں اعرف ست رازِ الفت  
 شد طرزِ حدوث از طرازِ الفت

یا ایہا الذین امنوا آمنوا باللہ ورسولہ کے تحت شریعت کے ساتھ ساتھ جس  
 طرح طریقت کا پہلو نظر کیا گیا ہے ذیل کی نظم میں ملاحظہ ہو اس سے ثابت ہوتا ہے  
 کہ مسلمانوں کے لئے شریعت و طریقت دونوں جزو کی تکمیل ضروری ہے۔

خوش ہم سے ہے جاناں ہم عید اسے کہتے ہیں  
 بس ایک کے ہو جانا توحید اسے کہتے ہیں

گر نازے قدموں پر ہے عین نماز اپنی  
 ہے اس میں سرفرازی لے بندہ نواز اپنی

بھولے سے نہیں آتا کھانے کا خیال اب تو  
 دُہن وصل کی رہتی ہے ہے صوم وصال اب تو

مر جانا محبت میں ہے عین حیات اپنی  
 نقد دل و جان دنیا گویا ہے زکوٰۃ اپنی

عاشق کیلئے حج ہی اک خاص بہانہ ہے  
 ہم کو در جاناں تک ہر حال میں جانا ہے

کام آذسکی آخر کچھ بخیہ گری اپنی  
 لے جاتی ہے جنگل کو شوریدہ سری اپنی  
 حلقہ در کعبہ پر ہے حلقہ بگوشوں کا  
 ہے زانوئے دلبر پر سر خانہ بادشہوں کا  
 اے ست نے وحدت آجد تجھے کیا کم ہے  
 کوثر ہے مدینہ میں اور کعبہ میں زفرم ہے  
 تفسیر ہو یا قرآن سب ایک ہی مطلب ہے  
 اسلام کے ارکان ہیں یا عشق کا مذہب ہے  
 جو کچھ ہے شریعت میں وہ عین طریقت ہے  
 توحید محبت ہے توحید محبت ہے  
 ثنایاں نہ بود مارا بے صدق دعا کردن  
 بے مشائہ الفت از فرض اداگشتن

حضرت آجد نے ایک نظم ”میرا رام کہاں ہے“ کے عنوان سے لکھی ہے نیچرل حالت  
 کا نقشہ جس طرح صاف کہینچا گیا ہے اور پرتصوف کے اہم مسئلہ ”ہمہ اوست“ کی طرح  
 صراحت کی گئی ہے وہ قابل غور ہے ملاحظہ ہو۔

رات جب لوگ سوتے تھے سائے  
 چپ کٹری تھی میں گنگا کنارے  
 لہریں لیتا تھا دریا کا پانی  
 جوش پر تھی ندی کی جوانی  
 چاند پانی میں تھا عکس انگن  
 مائی گنگا کا پُر نور جو بن

دیکھ کر ایسا دلکش نظارہ شدتِ غم سے میں نے پکارا

روح بسمل ہے جان نیم جاں ہے

میں یہاں رام میرا کہاں ہے

چرخ پر گھومنے والے بادل مہ کا منہ چومنے والے بادل

آسماں تک ہے تیری رسائی خاک افتادہ میں ناسزائی

عرشِ اعلیٰ تپسہ ہی نظر ہے فرسِ خاکی پہ دکھیا کا سر ہے

یوسف گم شدہ کا پتہ دے ڈھونڈ کر مجھ کو اتنا بتا دے

چاند کس برج میں وہ نہاں ہے

میں یہاں رام میرا کہاں ہے

اے لو کس زور سے بجلی کر ٹکی روح قالب میں گہرا کے پھڑکی

بوندیں پڑتی ہیں جھم جھم زمیں پر آسماں ہو گیا خسم زمیں پر

چھائی ہے کیا گھٹا کالی کالی چاند نے ڈر کے صورت چھپالی

خوف سے میرا دل ہی ہے مضطرب میں چسپوں کس کے دامن میں جا کر

اے کس جا مرا جان جاں ہے

میں یہاں رام میرا کہاں ہے

کوئی بے کس کا رہبر نہیں ہے مہربان کوئی مجھ پر نہیں ہے

لاکھ رو رو کے میں نے پکارا محوِ غفلت ہے سنار سارا

یاس کی اوس برسوں جو دل پر دی صدار عدل نے یہ گرج کر

دیکھ ہے پریشو مجھ میں تجھ میں      رام تجھ میں ہے رام مجھ میں  
 رام ہے جان میں رام تن میں      رام جل تھل میں ہر رام بن میں  
 رام کا ذکر ہر نام میں ہے      رام سب میں ہے سب رام میں ہے  
 جلوہ اسکا بد و نیک میں ہے      شان اس ہر کی ہر ایک میں ہے

کس لئے پھر یہ شور و فغاں ہے  
 میں یہاں رام میرا کہاں ہے

بعض انسان رنج و غم سستے سستے نظریہ غالب کے تحت ۵  
 رنج سے غمگرا انسان تو مٹجاتا ہے رنج      مشکلیں اتنی ہیں عجیب کہ آساں ہوئیں  
 کا عادی ہو جاتا ہے۔ اور بعض پر نظریہ مذکور پورا نہیں اُترتا بلکہ رو رو کر کرب کے پیہم  
 صدات سے اسکی روح دن بدن تحلیل ہوتی جاتی ہے۔ تعجب تو یہ ہے کہ ایک ہی چیز دو  
 متضاد چیزوں کی علت بنتی ہے ہم کہتے ہیں کہ رنج سستے سستے آخر رنج سننے کی عادت ہو گئی۔  
 یہ بھی صحیح ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ رنج سستے سستے آخر موت کے کنارے لگ گئے یہ بھی صحیح ہے۔  
 قل متاع الدنیا لئیل کے تحت حضرت امجد نے اس دو سرفزہ والوں کو  
 جس طرح صبر اور سکون کی تسلیم دی ہے واقعہ تو یہ ہے کہ سچ مچ پڑھنے والے کو ایک قسم  
 تسکین نصیب ہو جاتی ہے۔

راہِ خدا میں زندگی مستعار دے      چھننے سے پہلے جامہ ہستی اتار دے  
 برہ فادہ خستہ دلاں اشتہار دے      غم دیدہ دل کے کان میں امجد پکار دے

تھوڑی سی رو گئی ہے اسے ہی گزار دے

آئے زمیں پہ خاک اڑانے کے واسطے      آنکھیں بنی ہیں اشک بہانے کیواسطے  
یہ زندگی ہے رنج اٹھانے کے واسطے      ہر سانس تن میں آتی ہے جلانے کیواسطے  
تھوڑی سی رہ گئی ہے اسے بھی گزار دے

مانا کہ غم میں حد سے سوا مبتلا ہے تو      بے کس ہے تو فقیر ہے تو بے نوا ہے تو  
کیوں جان مستعار سے احوال خفا ہے تو      لے رونے والے موت کو بھولا ہوا ہے تو  
تھوڑی سی رہ گئی ہے اسے بھی گزار دے

مانا کہ تو شکستہ دل و خستہ حال ہے      مانا کہ مثل نقش قدم پائمال ہے  
مانا کہ ہجرِ یار میں جینا محال ہے      دو دن فراق کے ہیں پھر آخر وصال ہے  
تھوڑی سی رہ گئی ہے اسے بھی گزار دے

اے جان! جان رنج میں کھوتی ہو کس لئے      بے چین ضبطِ درد سے ہوتی ہے کس لئے  
ناؤ اپنی بھر غم میں ڈبوتی ہے کس لئے      اے شمع صبح ہوتی ہے روتی ہو کس لئے  
تھوڑی سی رہ گئی ہے اسے بھی گزار دے

یہ قدرِ راست بارِ مصائب سے خم سہی      آفت پر آفت اور ستم پر ستم سہی  
پاؤں میں چھالے لہلیں خلش لبِ دیم سہی      لے چلنے والے اور ذرا دو قدم سہی  
تھوڑی سی رہ گئی ہے اسے بھی گزار دے

پیوندِ خاک کا ہے یہاں نیک ہو کہ بد      اے سونے والے مہر کا انجام ہے لحد  
اے جینے والے مردوں پہ کرتا ہے کیوں حسد      شاید ہیں نفسِ نفسِ واپس بود  
تھوڑی سی رہ گئی ہے اسے بھی گزار دے

ایک نظم کا عنوان ہے ”رنگی تصویرِ نظم کیا ہے کسی ہے ہاں کا اندازہ خود ناظر میں کر لیں۔

(۱) پہلا رنگ نہایت ہلکا غیمہ نائگفتہ کی طرح پاک اور برت کی طرح بے داغ تھا۔

سُن کتھا میری چھی ہیلی رات میں سو رہی تھی اکیلی

آئی خوشبو مجھے عطر کی سی چھو گئی سانس مجھ کو کسی کی

چھا گئی مجھ پہ بدلی کرم کی بند آنکھوں میں بجلی سی چمکی

ہو گیا فضل باری تعالیٰ آیا گھر میں مرے عرش والا

(۲) دوسرا رنگ نہایت شوخ مگر کچا دھوپ میں اُڑ جانے والا میری انتہائی

مشرّت اور اس کے معنی خیز تبسم پر شامل تھا۔

محو دیدُ رخ یار ہوں میں خواب میں ہوں کہ بیدار ہوں میں

اب جلے آگ میں میری سوتن میں تو باندھوں گی دامن سے دامن

اب کہیں اسکو جانے نہ دوں گی غیر کو منہ دکھانے نہ دوں گی

غلمکے میں مرے عید ہوگی اب تو آنکھوں پر دید ہوگی

(۳) تیسرا رنگ نہایت گہرا اور پختہ دہونے سے ہی نہ دھلنے والا۔ خون کی طرح

جسم کی رگ رگ میں دوڑنے والا تھا۔

میں اس وجہ میں جھومتی تھی اپنی قسمت کا منہ چومتی تھی

ناگماں اک ذرا آنکھ چسکی کر کڑا کر گرمی غم کی بجلی

ہائے تقدیر نے رنگ بدلا پھر یہ دیکھا کہ اس کو نہ دیکھا

اس نے جلوہ دکھایا ہی کیوں تھا جانے والا پھر آیا ہی کیوں تھا

بیٹھے بیٹھے مرا جی بسلایا چھیننے والے نے کیوں منہ دکھایا

اب وہ ہم ہیں نہ وہ ہمیشیں ہے ہائے سب ہونگے پھر کچھ نہیں ہے

یقین ہے اس سے حضرت امجد کے نظموں کی وضاحت ہو جائے۔

**تضمین:**۔ حضرت امجد کی نظمیں پیش ہو چکی ہیں اب ہم آپ کی تضمینیں اور غزلیں پیش کرتے ہیں۔

تضمین اس کو کہتے ہیں جو دوسرے شعرا کے کلام پر مصرعے لگائے جائیں یہ ضروری نہیں کہ جس زبان کی غزل ہو اسی کے ہم زبان مصرعے ہوں۔ بلکہ عربی اور فارسی کے ساتھ ہی اردو مصرعے لگا کر تضمین کی جا سکتی ہے۔

جہاں تک ہمارے معلومات ہیں اردو شعرا نے بہت کم اس قسم کا کلام چھوڑا ہے۔ حضرت امجد کے ریاض امجد حصہ اول اور حصہ دوم میں متعدد تضمینیں ہیں جن میں عربی فارسی اور اردو پر مصرعے لگائے گئے ہیں۔ یہ تضمین نہایت نعت اور تصوف پر مشتمل ہیں۔ اکثر مجلس سماع میں جب یہ گائی جاتی ہیں تو مجلس کو حالت کیف میں لا کر وجود پیدا کر دیتی ہیں یہ تضمینیں خاص عنوانات کے تحت لکھی گئی ہیں۔ بعض عنوان حسب ذیل ہیں۔

جذباتِ محسن۔ بیچارہ بھلا کی زبانی۔ گیسو والے آجا۔ بت ہم برہمن ہم۔ تو ز غنچہ کم نہ دیدہ۔ دیوانہ سازی خویش را۔ حاجت بسیار نیست۔ کل من علیہا فان۔ و ابرفت علینا من الحزن۔ مازغ البصر۔ و ما ارسلناک الا رحمةً للعالمین وغیر ہم۔ ان میں سے بعض کو تعارف کیا جاتا ہے۔

عربی۔ عربی شاعری میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا نہایت بلند مرتبہ ہے اور آپ کی فصاحت

بلاغت ادب میں خاص امتیاز رکھتی ہے۔ حضرت امام زین العابدینؓ کو گویا اثنا عشری  
و دلیت ہوئی تھی۔ آپ کا ایک عربی قصیدہ نہایت مشہور ہے۔ اس پر حضرت امجد کی  
تضمین ملاحظہ ہو۔

لے پیک نیک بیکیاں لے قاصد فرخ شمیم  
شہز چا بک سیر تو گمہ در عرب گمہ در عجم  
مرہون احسانت جہاں ممنون انعامت اُمم  
ان نلت یا سیم الصبا یوماً الی الاضحا محکم  
بلغ سلامی مرضۃ فیہا النبی المحترم

زقتیا جاں برباد ہوا یا ہر اب آنکھوں میں م  
بینا مبرقتا نہیں بیچارہ و بے کس ہیں ہم  
جاگڑنائے کون انہیں افسانہ بیار غم  
ان نلت یا سیم الصبا یوماً الی الاضحا محکم

بلغ سلامی مرضۃ فیہا النبی المحترم  
کیا شکل کمنیجی داد واد قربان تھے دست نفا  
کیا زنگ کیا روپے کیا حسن ہے نام خدا  
پڑھتے ہیں حکو دیکھ کر جو رولاک صل علی  
من وجہ شمس الضحیٰ من خدا بدما لاجبا  
من ذالہ نور الہدیٰ من کفہ بحر الہمم

کیا پوچھتے ہو ہم مومہم سے محبت کافرہ  
سننا دہان زخم سے رہ رہ کے آتی ہو صدا  
دل چاک ہے کھڑے ٹکڑے زخمی تیغ جفا  
آکبادنا مجروحہ من سیف ہجر المصطفیٰ  
طوبی لاهل بلدیۃ فیہا النبی المحترم

کل امجد بے خانماں ناگاہ رستہ میں ملا  
پوچھا جو ہم نے حال دل و دیکے یوں کہنے لگا  
آشفہ و شوریدہ سر مضطر ریشاں بنیوا  
آکبادنا مجروحہ من سیف ہجر المصطفیٰ  
طوبی لاهل بلدیۃ فیہا النبی المحترم

پیرا ہن ذل چاک ہو ٹکڑے ہے جیب آتیس  
جینے سے جی بزار ہے ہن تو نہ ہے جان حزن

اچھے سجا بے رخی بہار سے اچھی نہیں یا حجة للعالمین ادلہ الثرین العابدین  
محبوسن یدی الظالمین فی الکتاب المرحوم

فارسی - خواجہ حافظ شیرازی فارسی کے وہ مشہور معروف شاعر ہیں جن کا تمام کلام اپنی رنگینی جذبات - بلند پروازی تخیل اور لطفِ زباں اور عاشقانہ مضمون آفرینی کے باعث نہایت مقبول ہے۔ خواجہ صاحب کو کوئی ان کے کلام کے لحاظ سے زند خراباقتی تصور کرتا ہے تو کوئی صوفی صافی کوئی آپ کے جام میں مے ارغوانی کا سرو پاتا ہے تو کوئی ہی ساغر میں آب کو تڑاؤ شرابِ بطور کی جھلک دیکھتا ہے۔

حضرت آج نے آپ کی بعض مشہور غزلوں پر تفسیر کی ہے۔ حق یہ ہے کہ حافظ کی غزل کے لئے آج کے مصرعے ہی اس کو تفسیر کرنے کے لئے موزوں اور مناسب تھے۔ اس تفسیر سے حافظ کی غزل کو چار چاند لگ جاتے ہیں اور شیراز کی مے دو آتشہ دکن کے خم خانہ میں سہ آتشہ ہو جاتی ہے۔

نثار عارض گل رنگ تو ہزار اند مشہبہ تیغ نگاہ تو گلغذار آند

اسیر حلقہ زلف تو رستگار اند غلامِ زگیں مست تو تاجدار اند

خراب بادہ لعل تو ہشیار اند

چھپا یا لاکھ گر چھپ سکا نہ عشق کاراز تمام حالتِ دل تار ہی گئے دمساز

تری خطا نہ مراجعہ لے بتِ طناز ترا صبا و مرا آب دیدہ شد نماز

دگر نہ عاشق و معشوق راز دار اند

تر پتی ہے نری آفر تیں خلقِ شام و سحر کوئی حزمیں کوئی بیاب کوئی خاک بہر

تجھے نہیں ہی مگر اپنے عاشقوں کی خبر بزرگ زلفِ دوتا چوں گذر کنی بنگر

کہ از میں ویسارت چہ میقراراں اند

پھڑک رہے ہیں اسیران کا کل مشکیں نکلنے کو ہے تن مضحل سے جانِ حزیں

جو میری بات کا ظالم تجھے یقین نہیں گرا ز کن چو صبا بر بنفشہ زار و بہیں

کہ از تطاول زلفت چہ سوگواراں اند

یہ کیا کہا ابکہ میں ہوں آج حسدِ ثروت نہیں ہے کوئی زمانے میں مجسا با عورت

تجھے نصیب کہاں وصلِ بل کی دولت رقیب درگذر و بیش ازیں مکن نخوت

کہ ساکتاں در دوست خاکساراں اند

ہے ہم سے نورِ فزائشع مغفرت پر تو سیاہ کاروں سے ہے آفتابِ عفو میں ضو

شرابِ خواروں کو تر کو ہے لگی ہوئی کو نصیبِ است بشت ایچہ اشناس برو

کہ مستحقِ کرامت گناہ گاراں اند

تباہ ہیں تری زلفت میں سنکڑوں بکس شکستہ حال پریشان خیال تنگ نفس

جہاں میں کون ہے جو نہ سیکے تیری ہوس نہ من پر آن گل عارض غزل سرایم بس

کہ عند لیب تو از ہر طرف ہزار اند

ہے چاکل کی طرح زندگی کا پیرا ہن مثال نقشِ قدم آدہ پامال ہے تن

وطن ہے دور ہے ہمت راہ میں زہن تو دشمنِ شوالے خضر ہے حبتہ کہ من

پیادہ میروم و ہمراہ سوار اند

ترے خیال میں مرجائے امجد ناشاد الہی یوں ہی ہے خاکِ عاشقاں برباد

دل حزیں نہ ہو غم سے تم سے کہی آزاد خلاص حافظاں زلف تا بدار مباد

## کہ بتنگان کند تو رستگار انسند

دیگر

ہر جا تجھے ڈھونڈا ہم نے بت ہر جانی  
 رخصت ہوا دنیا سے آخر تیرا شیدائی  
 لے در لب لعل تو اعجازِ مسیحائی  
 اکدن بھی عیادت کو تکلیف نہ فرمائی  
 آ۔ اب تو کرم فرما۔ ادشا ہدیہ ہر جانی  
 لے در لب لعل تو اعجازِ مسیحائی  
 اعجاز لب نازک بے جان کو دکھلا جا  
 پھر پکیرے بے جاں میں آجائے گی جاں آجا  
 لے در لب لعل تو اعجازِ مسیحائی  
 ڈو بھول چڑھانے سے تیوری نہ چڑھا ظالم!  
 انجد کے جانے پر اللہ اب آ ظالم!  
 لے در لب لعل تو اعجازِ مسیحائی

برسوں تیری فرقت میں کی باویہ سپائی  
 فسوس تیری صورت اکدن نہ نظر آئی  
 کن برسرتا بونم یک جلوہ بر عنائی  
 بیجا محبت کی اک روز نہ یاد آئی  
 نازسیت کبھی ظالم صورت ہی نہ دکھلائی  
 کن برسرتا بونم یک جلوہ بر عنائی  
 آ۔ لے بت سنگین ل۔ آ۔ فاتحہ پڑھتا جا  
 پامال محبت کو پھر ناز سے ٹھکرا جا  
 کن برسرتا بونم یک جلوہ بر عنائی  
 اتنا بھی نہ عاشق کو نظروں سے گرا ظالم  
 بیجا غم حبراں دینا سے چلا ظالم  
 کن برسرتا بونم یک جلوہ بر عنائی

ایک اور فارسی تفسیم ملاحظہ ہو۔  
 داری سرفراز انگلی دیوانہ شو دیوانہ شو  
 ایجاں ز حد جاں گزر جانانہ شو جانانہ شو

بگذرازیں دیوانگی نازانہ شو فرزانہ شو  
 احوق طلب از غیر خود بیگانہ شو بیگانہ شو

برشمع ہستی چرخ زن پر دانہ شو پر دانہ شو

جو امل جو ہر ہے ترانا قابل تغیر ہے  
یہ چاند سی صورت نیری نقاش کی تصویر ہے  
قدرت کی تو تحریر ہر دھرتی کی تو تفسیر ہے  
رفع حجاب غیر کی بس اک یہی تدبیر ہے

برشمع ہستی چرخ زن پر دانہ شو پر دانہ شو

اس شیشہ ناموس کو ننگ جنوں سے پوڑے  
یہ رشتہ تارِ نفس دامنِ حتی سے جوڑے  
کون مکانیں کھیل جا مجھ و دیت کو چھوڑے  
لے لو حسن لم نزل فانوس ہی توڑے

برشمع ہستی چرخ زن پر دانہ شو پر دانہ شو

ہو حائل عرش بریں خاکِ منش بستری تری  
ہے یادگار بادۂ توحید سرستی تری  
ہر دم صفاتِ سجدہ سے آباد ہی بستری تری  
السنہ اکبر دیکھ تو کیا چیز ہے ہستی تری

برشمع ہستی چرخ زن پر دانہ شو پر دانہ شو

ہران اپنی شان سے آئینہ سا حیران ہو  
اپنے حریم دل میں آآپ اپنا نمان ہو  
انجید تلاشِ حق میں ابنا حق نہ سرگردان ہو  
تو آپ اپنی قدر کر تو آپ پر قربان ہو

برشمع ہستی چرخ زن پر دانہ شو پر دانہ شو

اُردو عربی اور فارسی تضمینوں کے بعد اب ہم اُردو کی تضمین پیش کرتے ہیں۔

حضرت محسن کا گوری اُردو کے وہ مشہور نعت نویس شاعر ہیں جن کے متعلق کسی مزید تعارف کی ضرورت نہیں آپ کا کلام دنیائے اُردو میں حسنِ مقبولیت کی سند رکھتا ہے، آپ کا ایک زبردست قصیدہ نعتیہ ہے جو اپنے سنگلاخِ قافیہ کے باعث نہایت مشہور ہے اس پر حضرت انجید کی تضمین ملاحظہ ہو۔

دو عالم میں ہے ایک شہرہ تری حسن مجدد کا  
خداے دو جہاں کرتا ہے نظارہ تیرے قد کا  
نبر آ ب نگل سے ہے پہلا ذات ارشد کا  
محمد مصطفیٰ تپلا ہے تو نور مجتہد کا

ہو اخور شہید اقلیم عدم سایہ تیرے قد کا  
خلش میری طرفت دستودلیس نہ آنے دو  
طبیعت آزمائی کچھ نہیں ہمیں جو سچ پوچھو  
یکب نشا تھا میرا شاعرانہ کوئی جدت ہو  
بجوری کہہا ائید کی صورت لفظ اللہ کو  
نہ آیا ہاتھ اچھا قافیہ حب کوئی احمد کا

نہیں ذات احد کچھ دور احمد کی حقیقت سے  
الف اللہ کا لٹا ہے بالکل تیرے قامت سے  
مقدم ہے تری تکوین لفظ کن کی خلقت سے  
کھنچی پہلے تری تصویر ازل میں دست قدرت سے  
ہو لفظ خدا سے اشتقاق اول تر سے خدا کا

کے پہلے پل حق نے ہزاروں انبیا پیدا  
کیا نظارہ پھر تفصیل سے ہر اک کی سج و سج کا  
جچا کوئی نہ نظروں میں نہ بیا یا ایک بھی نقشنا  
مشاڈ الیس بنا کر صورتیں آدم سے تا عیسیٰ  
تب آبار است نقشا کلک قدرت سے ترے قد کا

فلک چاند تارونے زمیں کو گل سے زینت دی  
عطا کی اہلما تے کہیت جنگل کو سر سبزی  
ٹھایا داغ کثرت شمع وحدت کو ضیا بخشی  
خدا نے زینت زینت کی جو بزم آفرینش کی  
لگایا اس میں قد آدم آئینہ ترے قد کا

شعاع مہر خاور کا چلے جب حلق پر خنجر  
بغل میں ہو ہر اک کے نامہ اعمال کا دفتر  
کھرے گھوڑے کی جب پہنچ پیش حضرت داور  
بزرگ چڑھے سوزا میرا میزان محشر پر  
آنکھوں میں قبر سے مخمور تیری چشم اسود کا

پیام یار لائے روشنائی میرے نامہ کی  
کوئی جدت دکھائے روشنائی میسے نامہ کی

لطافت ایسی پائے روشنائی میرے نامہ کی      الہی کھیل جائے روشنائی میرے نامہ کی  
بڑا معلوم ہو لفظ احد میں میم احمد کا

حیدرآباد کے ایک صوفی بزرگ حضرت شمس الدین فیض تھے آپ اپنے عہد کے  
زبردست شاعر ہوئے ہیں۔ دیوان شائع ہو چکا ہے ۱۲۸۸ھ میں آپ کا انتقال ہوا۔  
آپ کی ایک غزل ”بت ہم بر بہن ہم“ نہایت مشہور اور مقبول ہے اس پر حضرت امجد  
کی تفسیریں ملاحظہ ہو :-

کریں کسکی محبت میں عہبت فریادوشیون ہم      پریں آوارہ ہو کر کسکی خاطر کو وہ دہ بزن ہم  
ادبے سامنے کسکے جہکائیں اپنی گردن ہم      کریں ہم کسکی پوجا اور چڑھائیں کسکو چندن ہم

صنم ہم دیر ہم بت خانہ ہم بت ہم بر بہن ہم  
سوا اپنے نہیں ہم چشم کوئی اپنا بیگانہ      خدا کی شان اب تو جام جم ہے چشم متانہ  
جدہر دیکھو نظر آتا ہے ہر سو روئے جانانہ      درو دیوار ہے نظروں میں اپنی آئینہ خانہ

کیا کرتے ہیں گھر بیٹھے ہوئے آپ اپنا درشن ہم  
یہ فکر دین و دنیا ہے یہ کچھ اعمال سے مطلب      غرض کوئی گذشتہ سے نہ استقبال سے مطلب  
یہ محبت سے ہر دلچسپی نہ استدل لال سے مطلب      زینل و قال سے مطلب یہ شغل اشغال سے مطلب

مراقب اپنے رہتے ہیں جہک کر اپنی گردن ہم  
کسی کے عشق میں منستے ہیں طعنے دوست دشمن کے      گریبان چاک ٹوکڑے استین بڑے ہیں دامن کے  
گرے ہیں اشک آسا بیٹھے ہیں نقش قدم بنکے      کب اٹھتے ہیں اٹھانے کے کسی شیخ و برہن کے  
درد لبر بر اپنے مار کر بیٹھے ہیں آسن ہم

جنہیں ڈھونڈا کیا دیر و حرم میں دلنشیں تھے وہ سمجھتے تھے جنہیں ہم دُور تر ہم سے قریں تھے وہ  
 جہاں کی خاک چھانی عشقیں خاک میں تھے وہ ہواے فیض معلوم ایک مدت میں ہمیں تھے وہ  
 جاکرتے تھے جنکے نام کی ذرات سمرن ہم

ایک اور نصیحت ملاحظہ ہو جو بازارِ البصر کے عنوان سے لکھی گئی ہے۔

اے مہ نیرؑ رسولؑ ہاشمی بانکے جواں کیا ڈھلی ہیں سحر کے سانچے میں تیری تپلیاں  
 پارہ ہو جاتی ہے دل کے تیر مڑگاں کی سناں تیری چشم مست کے بے ہوش ہی سارا جہاں  
 اونشیلی آنکھ والے کچھ تجھے ہی ہوش ہے

چھا گیا سائے جہاں میں رحمتِ حق کا سحاب تیرے چھٹیوں نے سجھایا بولسبک التہاب  
 تیری آمد سے ہوئے عالم میں کیا کیا انقلاب اک نظر میں سینکڑوں کو کر دیا مست خراب  
 اونشیلی آنکھ والے کچھ تجھے ہی ہوش ہے

فتنے پیدا کرتی ہے عالم میں چشم پر فتن کینف سے جس کے نشہ ہی ہوش والوں کا ہرن  
 کیوں نہ قہ مونہ پر گریں تیرے ٹڑپکر مردوزن کھ رہی ہے تیری چشم مست خروا اُسبتدا  
 اونشیلی آنکھ والے کچھ تجھے ہی ہوش ہے

مردے جی اُٹھے ہیں چشم مست کے انداز سے تپلیاں دونوں بھری ہیں سحر اور اعجاز سے  
 بجلیاں گرتی ہیں دل پر دیدہ طناز سے کس قدر پامال ہیں تیری نگاہِ ناز سے  
 اونشیلی آنکھ والے کچھ تجھے بھی ہوش ہے

چشمِ انسوں گر کے انسوں کی عجب تاثیر ہے کوئی گریاں کوئی مجرنا لہ شہگیر ہے  
 تیر مڑگاں کا کوئی سبل کوئی نچھب ہے خرو موسیٰ کی جہاں میں ہر طرف تصویر ہے

اونشیلی آنکھ والے کچھ تجھے ہی ہوش ہے  
 تیری آنکھوں میں لگا ہے کحلِ مازناغ البصر میں ہوں ان آنکھوں کے قربان ہاں اوہی نظر  
 کیا بتاؤں ہائے ان نیچی نگاہوں کا اثر اجد شید اچو جامی تیرِ خوردو در جگر  
 اونشیلی آنکھ والے کچھ تجھے ہی ہوش ہے

غزلیات۔ اب ہم حضرت اجد کی غزلوں کو پیش کرتے ہیں۔ چونکہ اردو شاعری کی بنیاد فارسی پر رکھی گئی تھی۔ اسلئے جو لازم فارسی شاعری کے تھے، انکا تاثر اردو میں منتقل ہونا ناگزیر تھا مگر چونکہ یہ نقل تھی اس لئے وہی فرق ہو گیا جو اصلی اور نقلی میں ہو سکتا ہے اگرچہ بعض شعراء نے نہایت کامیاب نقل کی ہے۔ ہماری اردو شاعری کے لئے وہی شیریں فرم اور ایلیٰ مخنوں کی عشقیہ داستانیں منصور کا نعرہ انا الحق۔ رستم کی بہادری، حبشید کا جام، فریدیوں کی شوکت، دارا کی حشمت، نوشیرواں کا عدل خانم کی سخاوت، معانی و بہزاد کی مصویری، اور وہی ایرانی شاہد دساتی، وہی سائے ناب ارغوانی، وہی گل و بلبل کے افسانے، وہی زاہد و عابد کی چشمک، وہی محتسب رند کی ناانفاتی، شیخ اور امر و پرستی کے کرشمے لازمہ شاعری بن گئے جس کی وجہ سے اصلیت مفقود اور حقیقت نابود ہو گئی۔ اسکے بجائے تل و من اور چند بدن و حسیار کی عشقیہ کہانی سرمد کی گردن فروشی۔ جہانگیر کا عدل۔ اکبر کی شوکت۔ عالمگیر کی حشمت۔ شاہجہاں کی سخاوت۔ آسکتی تھی۔ ان میں اصلیت رہتی اور اصلیت کے باعث تاثر میں زمین و آسمان کا فرق ہو جاتا۔

اردو شاعری کے لئے دوسری شکل معشوق کا عدم وجود ہے۔ پردے کے باعث سوائے

شاہدان بازاری کے کسی معشوق کا دستیاب ہونا اور ہاتھ آنا دشوار بلکہ ناممکن تھا اور  
پیران کی بے وفائی ہرجائی کے گلے اڑنے کو لے لازماً شاعری بن گئے اس طرح غزل  
پوری طرح ہزل بن گئی۔

غزل کی عام تعریف یہی ہے کہ معشوق سے راز و نیاز۔ اسکی مدح و ستائش اسکے  
ناز و انداز کا بیان اسکے غم۔ اور کوششے کا ذکر جب معشوق ہی نہ ہوں تو ظاہر ہے یہ  
سب بیان بناوٹی اور فرضی ہوتا ہے، یہ تمام وجوہ تھے کہ عملاً اُردو شاعری خصوصاً  
متوسطین کی شاعری اصلی شاعری نہیں رہی اور اس وجہ سے اسپرچک ہنسائی ہونے لگی۔  
ہم اس امر کو بیان کر چکے ہیں کہ حضرت آجندھونی ہیں۔ اور اسکے ساتھ شاعر ہی۔  
آپ کی شاعری میں اول تو غزلوں کی مقدار نہایت قلیل ہے اور یہ بقول حضرت  
مدوح وہ غزل کو ہزل تصور کرتے ہیں اس لئے آپ کی غزلیں ان تمام حشو و زوائد  
سے پاک و صاف ہیں جن سے وہ عام طور پر ملتی ہیں۔ پھر بھرتی کے اشعار سے وہ  
بالکل خالی ہوتی ہیں۔ آپ کی غزل ہی تصوف اور فلسفہ کا معدن حقیقت اور اصلیت  
کا خزانہ ہوتی ہے۔ ہر شعر میں بجلی کی سی چمک اوزر ٹپ پائی جاتی ہے وہ سوز و گداز کی  
بولتی تصویر ہوتی ہے۔ ان سے وہ راز پنہانی جلوہ نما ہوتے ہیں۔ جن تک رسائی اور پردہ درکی  
ہر ایک کا کام نہیں ہوتا۔ بلکہ وہی اس راز کو افشا کرتے ہیں جو دیدہ بصیرت رکھتے اور اپنی  
ان آنکھوں سے معشوق حقیقی کا اصلی جمال جہاں آرا اور جلوہ جاناں مشاہدہ کرتے ہیں اور  
جب اصلیت کا اظہار ہو گا تو ظاہر ہے وہ کلام کیا پایہ رکھ سکتا ہے اور پھر جہاں اصلیت  
رکھتا ہے وہاں ان میں سادگی اور عام فہمی بھی ہے وہ ایسے نہیں ہیں جن کے سمجھنے  
کے لئے کلام غالب کی طرح شرح کی ضرورت ہو۔ ان کا کمال یہ ہے کہ وہ عام فہم

اور صاف ہیں اور یہ فلسفہ اور تصوف کے مشکل ترین مسائل کے حامل بھی۔ وہ  
تخیل کے لحاظ سے بلند درجہ رکھتے ہیں اور اسکے باوجود اصلیت سے دور  
نہیں اور رنگینی اور لطفِ زبان سے خالی نہیں آپ نے اس امر کو بخوبی ثابت  
کر دیا ہے کہ معمولی بول چال کی زبان کس طرح غزل کا بار امانت اٹھا سکتی ہے۔  
اس تفصیل کے بعد ہم اپنے دعوے کے ثبوت میں آپ کا مختصر کلام پیش  
کرتے ہیں۔

غالب کی ایک مشہور غزل ہے۔

دل ہی تو ہونہ سنگِ خشک درد سے بھرنے آئے کیوں

رد نہیں گئے ہم ہزار بار کوئی ہمیں تائے کیوں

اسی ”طرح“ میں حضرت امجد کی ایک غزل ہے فرماتے ہیں۔

نالہ جانِ حنہ جاںِ عرش بریں پہ جائے کیوں      میرے لئے زمین پر صاحبِ عرش آئے کیوں

نورِ زمینِ آسماں دیدہ دلہیں آئے کیوں      میرے سیاہ خانہ میں کوئی دیا جلانے کیوں

دیکھے تجھے جو اک نظر شو میں پھر وہ آئو کیوں      جسکو تھے قدم میں سجدے سے سر اٹھانے کیوں

یہ تیسرا شعر گویا بالکل حقیقت ہے، کیونکہ جب خدائے لم یزل کا دیدار جس کو

میسر ہو پھر وہ ہوش میں آہی نہیں سکتا۔ موسیٰ صرف ایک جلوہ میں بہوش ہو جاتے

ہیں طور سر نہ ہو جاتا ہے تو اسکی اصلیت میں کس کو کلام ہو سکتا ہے اور جب شاہدِ اصلی

کے قدم مل جائیں تو سجدے سے سر اٹھانے کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔

خدا کا نام غفور ہے اسلئے جرم کی معافی اور عیباں کا عفو لازمی ہے اس حقیقت

کو اس طرح واضح کیا گیا ہے۔

بخشنے والا جب مرا عفو پہ ہوتا ہوا مجھ سا گنہگار پھر مجرم سے باز آئے کیوں  
اس غزل کا یہ شعر خصوصیت کے ساتھ قابل ملاحظہ ہے۔  
زخم کو لکھاؤ کیوں بناؤ درد کو اور کیوں بڑھاؤ نسبت ہو کو تو کر کیجئے ہائے لئے کیوں

اور پھر  
جس نے چڑھائیں تیوریاں ناہوسو سیئے عمر بھر اب وہ مے فرار پر پھول چڑھانے آئے کیوں  
مقطع کس غضب کا ہے۔  
آج خستہ حال کی پوری ہو کیونکہ آرزو دل ہی نہیں جب اس کا س مطلب بل رہے کیوں

حضرت امجد ۱۳۲۵ھ میں حج ذیارت سے مشرف ہو چکے ہیں۔ ذیل کی غزل  
خاص مدینہ منورہ میں لکھی گئی ہے اس کا ہر شعر اصلیت رکھتا ہے اور پھر عجمی نعرہ منصور  
نہیں بلکہ ہندی صوت سردی پیش کیا گیا ہے۔

مل گیا صوت سردی میرے شکستہ سانسے نغمے کی آتی ہے صد انوحہ دل گداز سے  
جب کسی کی محبت دل میں جا بستی ہے اور رگ و پے میں سرایت کر جاتی ہے  
تو سوائے محبوب کے جلوہ کے کچھ اور نظر ہی نہیں آسکتا ہر طرف اور ہر شے میں محبوب کی  
صورت ہی نظر آتی ہے اسی فلسفہ کو اس شعر میں ادا کیا گیا ہے۔

اب تو مری نظر میں ہر حسن ہی حسن ہر طرف خلعت عشق مل گیا بارگہ حجاز سے  
پہرا سکی مزید شریح ہوتی ہے۔

حاصل عمر مل گیا قلب فسردہ کھل گیا پڑ گئی زندگی میں جان انکی نگاہِ تانے سے  
برونیکے بچھڑے ملگئے داغ دلونکے دل گئے پیٹی ہے انکی خاک پا میرے سر نیا ز سے

شکستگی ہمیشہ جوڑی جاتی ہے۔ شکستگی کبھی جڑتی نہیں مگر دلکی شکستگی معشوق حقیقی سے کس طرح جوڑتی ہے۔ اور اس درنیم باز سے شاہ حقیقی کو کس طرح دیکھا جاتا ہے اس مضمون کو ان شعروں میں ادا کیا گیا ہے۔

دلکی شکستگی نے آج جوڑ دیا کسی کے ساتھ دیکھ لیا مرخ حسین اس درنیم باز سے  
حالت وجد و ذوق میں لے یہ کھ رہا جو درد ہمنے ملا دیا تجھے لے تیرے چارہ ساز سے  
آج درنیم جاں کی جاں قص نہ کیوں کہے یہاں بر بطرح بھر گیا نغمہ دل نواز سے

غالب کی ایک اور غزل ہے جس کا مطلع ہے۔

شبنم بہ گل لالہ نہ خالی زاد ہے داغ دل بے درد نظر گاہ حیا ہے  
حضرت امجد کی ایک غزل بھی اسی ”طرح“ میں ہے فرماتے ہیں۔

ہے، اور یقینی ہی رہی سب کی صدا ہے لیکن نہیں معلوم کہ وہ کون ہے؟ کیا ہے؟  
کیا کوئی کہے، اسکی حقیقت کہ وہ کیا ہے؟ ہاتھ لگے توبت، ہاتھ نہ آئے تو خدا ہے

خدائے تعالیٰ (برتر از خیال و قیاس و گمان و وہم) کی حقیقت یا کہ نہ بیان کرنا انسانی امکان سے خارج ہے۔ لیکن پھر ہی حضرت امجد نے جس طرح حق سبحانہ تعالیٰ کی تعریف فرمائی ہے وہ انہی کا حق ہے۔ موجود کی دو قسمیں ہیں محسوس اور غیر محسوس ہر وہ چیز جو محسوس اور حواس میں آسکتی ہے وہ بت اور مادیت ہے۔ اور جو حواس اور خیال اور قیاس اور وہم سے بری ہے وہ موجود مطلق ہے۔ اس جگہ ہاتھ آئے اور ہاتھ نہ آنے کے یہی معنی ہیں۔

دُنیا میں ہر طرح کے سامان عیش فراہم ہیں آرام اور راحت کے سینکڑوں ذرائع

ہیں لیکن حضرت امجد صاحب مال و دولت نہیں ہیں دُنیا کے فانی کی دولت سے آپ کا دامن خالی ہے۔ حرص و ہوا سے مستغنی ہیں بڑے بڑے صاحب مال و دولت آپ کے لئے دولت نثار کرنے کو تیار ہیں مگر آپ کسی دنیوی دولت کی طرف متوجہ نہیں بلکہ آپ کا دل تو دردِ محبت سے لبریز ہے۔ اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں۔

دُنیا کے زر و مال سے گواہ تھ ہی خالی المنة لله کہ دل درد بھرا ہے  
ہر چند جہاں میں ہیں بہت عیش کرساں لیکن کوئی یہ کہدے کہ میسے لئی کیا ہے

ظاہر میں تو سرسبز جلگہ غم سے ہے پُر پُر خون  
رنگ رخ امجد صفت برگِ حنا ہے

غالب کی ایک اور غزل ہے۔

عشق سے طبیعت نے زلیست کا زما پایا درو کی دوا پائی درد بے دوا پایا  
حضرت امجد کی ہی ایک غزل اسی ”طرح“ میں ہے۔ فرماتے ہیں۔

باغیاں کی منت سے آپ کو رہا پایا جس نے غنچہ دلکو باغِ دلکشا پایا  
یہ ایک حقیقت ہے کہ جو شے اپنے پاس ہوتی ہے۔ پہرا سکی ضرورت نہیں ہوتی  
خواہش ہوتی ہے اور نہ طلب، وہی شے طلب کی جاتی ہے جو اپنے پاس نہیں ہوتی۔  
خود غنچہ دل باغِ دلکشا ہے اس لئے باغیاں کی منت کی ضرورت ہے اور نہ خوشامد کی۔  
کیونکہ جب اپنے ہی پاس ایک دلکشا باغ ہے تو پھر کسی اور باغ میں جانے کی ضرورت نہیں  
تصوف کا ایک اہم ترین مسئلہ خودی ہے۔ انسان ذات باری سے جدا ہے یا  
نہیں۔ میں اور تو کا ایک سخت ترین معہ ہے۔ جس کا حل بڑے سے بڑے صوفی سے

بھی دشوار ہے۔ اس سلسلہ کا حل دیکھو۔

ترے دل کی خواہش اک غلط نائش ہو اپنے آپ کو میں تجھے کب جدا پایا  
دُنیا میں دوست کی کیوں ضرورت ہے؟ اسکا جواب سنو۔

ہم تو صاف کہہ نیگول گیا خدا اُس کو جس نے اس خدائی میں بندہ خدا پایا  
معتوق کی پابوسی عاشق کا فریضہ زندگی ہے یہ ایک پائمال مضمون ہے۔  
ہر شاعر نے اس پر طبع آزمائی کی ہے۔ اسی طرح معتوق کے غصہ اور اس کے ناراضی  
کا خوف ہمیشہ دامنگیر رہا کرتا ہے۔ حضرت امجد معتوق کے غصہ کو بھی ایک نعمت تصور  
کرتے اور اسکو پائے بوسی کا ذریعہ قرار دیتے ہیں۔

جیلہ ہاتھ آتا ہے خوب ہلکے پائے بوسی کا رکھ دیا قدم پر سرجب انیس خفا پایا  
دُنیا میں امید اور ناامیدی دونوں توام ہیں امید نہ ہو تو اس خاکدان عالم میں  
ایک ساعت بھی بسر نہ ہو اس فلسفہ کو حضرت امجد سے سنو۔

ناامیدی و امید ساتھ ساتھ چلتی ہے بارہا سے کھویا اور بارہا پایا  
سانس کی ماہیت اور زندگی و موت کی تشریح دیکھو۔

سانس جو کہتے ہیں ایک پھانسی دلیں زندگی کے دہوکے میں موت کا نرا پایا  
ہر شے کے لئے کوشش اور جستجو ضروری ہے۔ پولین کے پاس ”نامکن“ کوئی  
لفظ ہی نہیں تھا عربی مثل ہے من جد و جداس کی حقیقت اور پیر خدا کے وجود کو حضرت  
امجد کے الفاظ میں سنو

جستجو ہی اے امجد راز کا میا بی ہے جس نے جا بجا ڈھونڈا اس نے جا بجا پایا

ذیل کی غزل بھی مدینہ منورہ میں لکھی گئی تھی۔ مولانا کی گلی کی ماہیت اور اس کی تشریح جس طرح واضح کی گئی ہے وہ ممکن ہے بعض عقل والوں کے پاس دیوانہ کی دیوانگی ثابت ہو اور ”ہنستے ہیں عقل والے“ صحیح ہو جائے مگر بعض عقل والے دُور دُور سے اس دیوانہ کی ملاقات کو آتے اور مولانا کی گلی کی حقیقت کو معلوم کرتے ہیں۔

کس چیز کی کمی ہے مولانا کی گلی میں	دُنیا تری گلی میں عشقی تری گلی میں
جام سفال اسکا تاج شہنشی ہو	آجائے جو بہکاری داتا تری گلی میں
دیوانگی یہ میری ہنستے ہیں عقل والے	تیری گلی کا رستہ پوچھا تری گلی میں
اک آفتاب حدیث جلوہ بخش کثرت	نکلی ہوئی ہیں گلیاں صد ہا تری گلی میں
ہو فیض کی تجلی گہری اندھیریوں میں	بکتا ہوا تہی کو سودا تری گلی میں
سوچ بچلیوں کا ہر دم چمک رہا ہے	دیکھا نہیں کسی دن سایہ تری گلی میں
موت اور حیات میری دونوں کو لئے ہیں	منا تری گلی میں جینا تری گلی میں

آج بکھڑا جگ ہم ادنیٰ سمجھ رہے تھے  
لیکن مقام اسکا دیکھا تری گلی میں

عام طور پر غزل مسلسل نہیں ہوتی۔ اسکا ہر شعر دوسرے شعر سے تعلق نہیں رکھتا ہر ایک شعر جداگانہ مضمون کا حامل ہوتا ہے۔ حضرت امجد کی ذیل کی غزل مسلسل اور قطع بند ہے۔ یہ غزل کیسی ہے اسکا اندازہ خود ناظرین کر سکتے ہیں۔ میں صرف اسی قدر

لہ یورپ کے ڈگری یافتہ اصحاب مراد ہیں۔

کہوں گا کہ تصوف کے اہم ترین مسئلہ کو اتنا صاف شاید کسی نے واضح کیا ہو گا یا دریا کو گوزہ میں بند کر دیا گیا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ اس غزل کا پانچواں شعر وجد کرنے کے قابل ہے۔

یوں تو کیا کیا نظر نہیں آتا	کوئی تم سا نظر نہیں آتا
ڈھونڈتے ہیں جسے مرئی آنکھیں	وہ تماشا نظر نہیں آتا
جیتے جی اپنے اُسکو دیکھو نکما	مجھے ایسا نظر نہیں آتا
ہو چلی خستہ انتظار میں عمر	کوئی آتا نظر نہیں آتا
جو نظر آتے ہیں نہیں اپنے	جو ہے اپنا، نظر نہیں آتا
جھولیاں سب کی بہرتی جاتی ہیں	دینے والا نظر نہیں آتا
زیر سایہ ہوں اسکے اے امجد	جس کا سایہ نظر نہیں آتا

ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ حضرت امجد کی شاعری میں تصوف کا بڑا حصہ ہے۔ تصوف کا اہم مسئلہ معرفت ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو جانتا اور سمجھنا۔ شاعرانہ پہلو سے جب اسپر نظر ڈالی جاتی ہے تو معرفت کے روح رواں خالق کائنات کی تصویر کھینچنی ضروری ہے اور اس کو تخلیقی پسگردیا جانا لازمی کیونکہ وہ شاعری جو تخلیقی پسگردیا ہو نظم نہیں ہو سکتی۔

ذیل کی غزل جس میں تصوف کے مختلف مسائل کا حائل ہے فوراً کے قابل ہے۔ ہمیں کیفیت عبدیت اور معرفت الہی اور توحید وجودی کے مسئلے کو بھی صاف کیا گیا ہے۔

ہم تو ایک بار اس کے ہو جائیں  
 وہ ہمارا ہوا ہوا نہ ہوا  
 ڈھونڈتا ہوں میں ہر نفس اسکو  
 ایک نفس مجھے جو خدا نہ ہوا  
 کیا ملا وحدت وجودی سے  
 بندہ بندہ رہ خدا نہ ہوا  
 بندگی میں یہ کبر پائی ہے  
 خیر گزری کہ میں خدا نہ ہوا  
 جاچکے عقل ہوش تاب تو اناں  
 لیکن اب تک انا فنا نہ ہوا

موجودہ زمانہ کے صوفیا جس طرح بندگی میں کبر پائی کرتے ہیں ان کی اصلاح کے لئے اس سے بہتر تعلیم نہیں ہو سکتی۔

اس کا ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت امجد کا کمال فن یہ ہے کہ وہ مشکل سے مشکل تصوف اور فلسفہ کے اہم ترین مسئلہ کو اتنا صاف اتنا واضح اور اس قدر عام فہم الفاظ میں بیان کرتے ہیں کہ پھر ان کی شرح کرنے یا واضح اور صاف کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ جس قدر کلام پیش کیا گیا ہے اس سے ہمارے دعوے کی خوبی تصدیق ہو سکتی ہے۔ ذیل کی غزل بھی ملاحظہ ہو جس کا ہر شعر ایک خاص کیفیت پیدا کرتا ہے۔

عالم میں ہر ایک اس کا شیدا نظر آتا ہے  
 اس طور کا ہر ذرہ موسیٰ نظر آتا ہے  
 بندے کی معیت میں مولا نظر آتا ہے  
 قطرے کی حقیقت میں دریا نظر آتا ہے  
 دریا کی تجسس میں پیا سا ہی نہیں حیراں  
 دریا کبھی تو پیا سے کا پیا سا نظر آتا ہے  
 اللہ سبحتا ہے کیا شان محمد ہے  
 بندو کی نگاہوں میں بندہ نظر آتا ہے  
 کس طرح نظر آئے وہ پردہ نشیں امجد  
 ہر پردے کے بعد اور ایک پردہ نظر آتا ہے

خدا کی ذات کو معمولی آنکھ نہیں دیکھ سکتی مگر صوفی کامل اس کا جلوہ اپنی اس آنکھ سے بھی دیکھتا ہے مگر ہر وقت وہ ہی اسکے دیدار سے اپنی آنکھیں ٹنڈی نہیں کر سکتا۔ گویا معشوق حقیقی پردہ میں ہوتا ہے اور چونکہ مسلمانوں میں عموماً پردہ کا رواج ہے اس لئے اس لفظ ”پردہ“ سے کلام میں خاص لطف پیدا ہو جاتا ہے اور پردہ کی تشبیہ ایک خاص کیفیت پیدا کر دیتی ہے حضرت خواجہ میر درد فرماتے ہیں۔

آہ پردہ تو کوئی مانع دیدار نہیں  
 اپنی غفلت کے سوا کچھ درد دیوار نہیں  
 حضرت امجد نے بھی غزل بالا کے مقطع میں اسی پردہ کو ایک خاص رنگ میں  
 پیش کیا ہے۔

کس طرح نظر آئے وہ پردہ نشیں امجد  
 ہر پردہ کے بعد اور ایک پردہ نظر آتا ہے

خدا کی ذات مثل اور مثال تمثیل سے بالاتر ہے مگر حجب تک مثال دینے کے قابل نہ ہو اسکی تمثیل دی ہی نہیں جاتی۔ اور پھر خدا کی شان جلال اور جمال دونوں کی متصف ہے۔ جلالی شان جبروت کی مقتضی ہے جس سے ہر صوفی لرزاں رہتا ہے اور شان جمالی جسم و کم کی پیکر ہے۔ اسکی شرح حضرت امجدیوں فرماتے ہیں۔  
 مثل و مثال سے بری حد مثال میں بھی آ جاوہ جلال کے خدا شان جمال میں بھی آ

انسان کا ظاہر و باطن ایک ہونا اخلاق کی بڑی خوبی ہے۔ اسلام اسی کی تعلیم دیتا ہے۔ ظاہر میں کچھ اور باطن میں کچھ بدترین اخلاق ہے مگر افسوس آج کل مسلمانوں کا جو حال ہے اسکے بیان کی ضرورت نہیں۔  
حضرت امجد فرماتے ہیں۔

قسمت بد کو نیک کر ظاہر و باطن ایک کر تو میرے قال میں بھی آ تو میرے حال میں بھی آ  
خدا کی ذات ہر جگہ ہے کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں اس کا وجود نہ ہو۔ لیکن اس کے لئے کوئی خاص جگہ مخصوص نہیں کی جاسکتی اور ایسے کہتے ہیں جو اسکو مانتے اور سمجھتے ہیں۔

تو ہے جہاں میں ہر جگہ پہر ہی نہیں کسی جگہ نوز زمین و آسمان چشم خیال میں بھی آ

مردہ دلی نکال دے جان میں جان ڈال دے چشمہ آب زندگی جام سفال میں بھی آ

انسان میں کبر و غرور بڑی بلا ہے یہ ایسا عیب ہے جو بدترین اخلاق قرار دیا جاسکتا ہے۔ خدا کو کبر و غرور پسند نہیں۔ تکبر کو وہ دوست نہیں رکھتا۔ صوفیاء اولاً انکساری اور فروتنی کی تعلیم دیتے ہیں۔ حضرت امجد فرماتے ہیں۔  
جامہ کبر چاک کر خود کو خودی سے پاک کر امجد منزلت طلب صفِ نعال میں بھی آ

خدا کے ہر جگہ ہونے مگر اس تک نہ پہنچنے کو دوسرے الفاظ میں اس طرح ادا کیا گیا ہے۔

وہ سب ہر نزدیک تیر پر ہی کوئی پاتا نہیں رکھتا ہے وہ سب پنظر لکین نظر آتا نہیں

تقدیر اور تدبیر کو شیخ ناسخ نے خوب بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں۔

ہم خواب میں داں پونچھے تدبیر سے کہتے ہیں

وہ نیند سے چونک اٹھے تقدیر سے کہتے ہیں

اسی تقدیر اور تدبیر کو حضرت امجد نے اپنے طرز خاص میں بیان کیا ہے۔

وہ کرتے ہیں سب چھپکر تدبیر سے کہتے ہیں ہم دہرائے جاتے ہیں تقدیر سے کہتے ہیں

کیا بہترین کلام ہے اور کس خوبی سے اصلیت کو واضح کیا گیا ہے دنیا کا وہ کون کام

ہے جو مشیت ایزدی کے خلاف ہوتا ہے اور پھر کام کی کامیابی اور ناکامی دار و گیر

سب اسی کے ہاتھ میں ہے جو چھپ کر سب کچھ کرتا ہے اور ہم اسکا اپنی اپنی تدبیر اور

تقدیر سے ہوسوم کئے جاتے ہیں۔

اب بخون طوالت ہم صرف ایک غزال کو پیش کر کے اس بیان کو ختم کئے دیتے

ہیں۔ جو حضرت امجد نے مدینہ طیبہ سے رخصت ہوتے وقت کہی ہے۔

شکستہ بال کے ہر بال پر میں آگ لگی اے کوئی تو بھجا دے جگر میں آگ لگی

ادھر جگر کی صدا ہے کہ ٹھیک گیا دل زار پکڑتا ہے ادھر دل جگر میں آگ لگی

ٹپک رہے ہیں جب آنکھوں سے گرم گرم آنسو یہ کیوں یقین کروں چشم تریں آگ لگی

بنا ہے گبر کا آتشکدہ دل مسلم جگر میں سینے میں پہلو میں بر میں آگ لگی

ہر ایک قطرہ خون بنگیا شہرہ امجد

چراغ روح جلا تن کے گہر میں آگ لگی

رباعیات :- اب ہم حضرت امجد کی رباعیاں پیش کرتے ہیں اور یہ مبالغہ نہیں ہے کہ اقلیم رباعی کے آپ بادشاہ قرار دیئے جاسکتے ہیں۔

رباعی کا عربی شاعری میں رواج تھا اور اس کو دو بیت کہا کرتے تھے۔ فارسی شاعری میں اگرچہ رباعی کا وجود بہت بعد میں ہوا مگر سلجوقی عہد میں اسی صنف شاعری کو خاصی ترقی ہوئی تھی کیونکہ تصوف کا زور یہی اسی زمانہ میں تھا۔ امام تصوف، امام غزالی اسی زمانہ میں تھے۔ عمر خیام ہی ان ہی کا ہم عصر تھا۔ چونکہ صنف شاعری میں رباعی ہی ایک ایسی نوع ہے جس کے ذریعہ حقائق اور معارف کا اظہار ہو سکتا ہے اس لئے ان لوگوں نے اپنے اظہار خیال کا آلہ اسی کو قرار دیا۔

فارسی میں شیخ ابوسعید ابو انخیر اقلیم رباعی کے پہلے سر تاج ہیں۔ شیخ ہی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے رباعی کے ذریعہ حقائق اور معارف کی اشاعت کی، شیخ کے بعد شیخ اوجہ الدین مراغی عمر خیام اور سجائی نجفی کے نام پیش کئے جاتے ہیں، جن کی رباعیاں زبان فارسی کے انمول موتی ہیں۔ ایران کے قطع نظر اور ہندوستان میں سرمد نے سرزمین رباعی کو فلک الافلاک کا ہمسر بنا دیا۔ اور بقول گرامی مرحوم

آج حضرت امجد جواب سرمد ہیں ۵

کلاک امجد کلید گنج سرمد  
گفتم کہ بود جواب سرمد امروز  
انجد بہ رباعی ست فرد امجد  
روح سرمد بگفت انجد امجد

مگر یہاں ہم کو فارسی رباعیوں سے بحث نہیں ہے بلکہ اردو رباعیوں کی بحث کرنی ہے۔ اس میں اب کوئی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ اردو شاعری کی ابتدا و دکن سے ہوئی اور ہم کو ابتدائی شاعری میں شنوی کے ساتھ رباعی بھی نظر آتی

ہے مگر اسکو کوئی درجہ نہیں دیا جاسکتا کیونکہ دکن میں شنوی کا رواج زیادہ تھا اور  
 اسی مسلسل نظم میں شعرائے دکن نے اپنے کمال کا اظہار کیا ہے جس طرح اردو مثنویہ  
 میں میر انیس اور مرزا دبیر نے اپنی معجز نمانی سے ایک جدید دستا کی بنیاد ڈالی  
 اسی طرح رباعی بھی ان ہی دونوں کی منت پذیر ہے۔ انہی دو کے باعث رباعی  
 میں جان پڑ گئی۔ میر انیس کے بعد ایسا کوئی شاعر نہیں ہوا جس نے تسلیم رباعی کی  
 فرما زوالی کی ہو مگر آج حضرت امجد بشیک اس کے فرما زوالی قرار دیئے جاسکتے ہیں  
 جس طرح آپ کی نظمیں چند اقسام میں بیان کی گئی ہیں اسی طرح آپ کی رباعیاں  
 بھی حقائق و معارف تصوف، اخلاق اور فلسفہ وغیرہ اقسام پر تقسیم کی جاسکتی ہیں۔  
 رباعیات امجد کے نام سے آپ کی سینکڑوں رباعیاں شائع ہو چکی ہیں اور جمال امجد  
 اور حج امجد وغیرہ میں بھی آپ کی بیسیوں رباعیاں ہیں۔ ان میں سے بعض کو یہاں  
 پیش کیا جاتا ہے۔

حقائق و معارف :-  
 خدا سے برتر کی توحید اس کی حقیقت اسکی معرفت اور  
 وحدانیت کی تشریح میں حضرت امجد کی بیسیوں  
 رباعیاں ہیں۔ جن کے ذریعہ آپ نے نہایت صاف اور آسان طریقہ پر اس اہم مسئلہ  
 کی تشریح فرمائی ہے بعض رباعیاں ملاحظہ ہوں۔

خدائے قدوس کا ارشاد ہے تعز من تشار جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے  
 اور تذل من تشار جس کو چاہتا ہے ذلیل و خوار کرتا ہے۔ ذیل کی رباعی اسی کی  
 تفسیر ہے۔

ملاحظہ ہو :-

ہر ذرّہ پہ فضل کبریا ہوتا ہے      اک حشیم زدن میں کیا سے کیا ہوتا ہے  
اصنام دہی زبان سے یہ کہتے ہیں      وہ چاہے تو پتھر ہی خدا ہوتا ہے

پتھر کو تو خدا بنا کر عزت دی گئی اور پر انسان کو جو اشرف المخلوقات ہر ادنیٰ ترین  
شے پتھر کی پریش میں مصروف کر کے ذلیل کیا۔

عام طور سے شعرا اپنے گناہوں کا اظہار کر کے خداوند کریم سے مغفرت کی امید کے  
مضمون کو بیان کرتے ہیں۔ حضرت امجد بھی لا تخرنا یوم القیامت کی تفسیر اس  
طرح فرماتے ہیں ۵

ضالیع فرمانہ سرفروشی کو مری      مٹی میں ملانہ گر مجوشی کو مری  
آیا ہوں کفن پہن کے اے رب غفور      دھبہ نہ لگے سپید پوشی کو مری  
اسی مضمون کی ایک اور رباعی ملاحظہ ہو۔

پائیں گے نئی جات مرنے والے      ہو جائیں گے مطمئن یہ ڈرنیوالے  
امید ہے تو ہی بخش دینگا ہر حرم      او ماں سے زیادہ پیار کرنیوالے

خدائے قدوس کی یافت کو ذیل کی رباعی میں ملاحظہ فرمائیں۔

ہر رات مرا ماہِ جبیں آتا ہے      گھر میں مے وہ عرش نشیں آتا ہے  
وہ راحت جان اگر چہ میری خاطر      آتا ہے گرفت میں نہیں آتا ہے

خدائے برتر کی ہستی ایسے پردہ میں مستور ہے جو سوا سے اہل باطن کے کسی کو نظر

نہیں آتی۔ خانہ کعبہ کا غلاف بھی سیاہ ہوتا ہے۔ اس خانہ خدا کے سیاہ پردے کو دیکھ کر حضرت امجد اسرار الہی کے متعلق ایک عجیب کیفیت بیان کرتے ہیں۔ ہے شاہد حسن ہر جگہ پردے میں ملتی ہی نہیں کسی کو رہ پردے میں اس کا ہر ایک راز کعبے کی طرح پڑے میں ہی، اور وہ بھی یہ پڑے میں

ہم جب کسی سے ملنا چاہتے ہیں تو پہلے گھر کا پتہ دریافت کرتے ہیں اور جب مکان معلوم ہو جاتا ہے تو پھر کبھی نہ کبھی صاحب خانہ سے ملاقات ہو جاتی ہے خانہ کعبہ کی زیارت کے بعد حضرت امجد نے کس طرح نقش تسکین قائم کیا ہے۔ وہ قابلِ صد تحسین ہے۔

رستہ ترا سر سے طے کیا ہے ہم نے سب کچھ تزیں رہ میں دیدیا ہے ہم نے مل لیں گے کبھی تجھ سے ہی انشائے گھر تو ترا دیکھ ہی لیا ہے ہم نے اس رباعی میں لفظ ”انشائے“ نے جو خوبی پیدا کر دی ہے وہ اہل ذوق سے مخفی نہیں ہے۔

خدا کی مخلوق لا تعداد ہے مگر ایسے کتنے ہیں جن کو اس خالقِ لم یزل کا رستہ معلوم ہوتا ہے؟ آجکل ریل، جاز، موٹر اور ایرو پلن کے باعث فاصلہ کم سے کم ہوتا جاتا ہے۔ دنیا اس کوشش میں ہے کہ زیادہ سے زیادہ فاصلہ کم سے کم وقت میں طے ہو جائے اس مادی ترقی کے باوجود اہل یورپ جس طرح خدا سے بیگانہ ہیں اور مادہ پرستی میں مبتلا ہیں وہ بھی ظاہر ہے اس کے بعد ذیل کی رباعی ملاحظہ ہو۔

اُس مہر جہاں تاب کا ذرہ نہ ملا      لاکھوں میں کسی ایک کو رستہ نہ ملا  
 زپٹن میں اُڑا ریل میں دوڑا لیکن      بندے کو کہیں پتہ خدا کا نہ ملا

انسان خلیفہ اللہ فی الارض ہے خدا کے ایک امانت اس کے سپرد کی ہے مگر  
 ایسے کتنے انسان ہیں جو بارِ امانت کو اٹھا سکتے ہیں؟ یعنی لا تحملنا ما لا طاقتہ لنا بہ  
 کی تفسیر دیکھو۔

ہر گام پہ چپکرا کے گرا جاتا ہوں      نقشِ کفِ پابن کے مٹا جاتا ہوں  
 تو بھی تو سب نہال مرے ڈینے والے      میں بارِ امانت میں دبا جاتا ہوں  
 نقشِ کفِ پا اور بارِ امانت نے اس رباعی میں کتنی بلندی پیدا کر دی ہے، وہ  
 اہل ذوق سے مخفی نہیں ہے۔

خاتم النبیین کے ثبوت میں اور شاعروں نے ہی طبع آزمائی کی ہے مگر حضرت امجد  
 کی رباعی ملاحظہ ہو گویا مصنف نے رباعی کی مشق اسی رباعی کے لئے کی ہے۔  
 صرخ مہر ہے قد خط شعاعی کی طرح      ہے گدہ امت میں وہ راعی کی طرح  
 اس خاتم انبیا کا آخر میں ظہور      ہے مصرعہ آخر رباعی کی طرح

معراج رسالت کے متعلق ہی اکثر شاعروں نے طبع آزمائی کی ہے اور اپنے خیالات  
 کا اظہار کیا ہے بلکہ دکنی شاعروں نے معراج نامہ کے نام سے شتویاں لکھی ہیں اور  
 اپنی دیگر شتویوں میں بھی معراج کا عنوان قائم کر کے اظہار خیال کیا ہے مگر سینکڑوں شعرا

کی تمنیوں سے بہتر ایک رباعی ملاحظہ ہو ۵  
 حیرت نہیں بے سایہ اگر ذات ہوئی      ٹکڑے کیا چاند کیا کرامات ہوئی  
 دوزات تھا جلوہ خدا پیش نظر      معراج ہوئی تو کیا نئی بات ہوئی

معتوق کی ناراضی عاشق کے لئے ایک مصیبت عظمیٰ ہوتی ہے، اور اس خوف  
 سے ایسا تصور نہیں کیا جاتا جو اسکی ناراضی کا سبب ہو۔ مگر حضرت امجد تصور بھی  
 کرتے ہیں تو اس کو ایک نعمت تصور کرتے ہیں جس سے معتوق کی پاپوسی  
 حاصل ہوتی ہے ۵

حیلہ ملتا ہے رنگ لانے کے لئے      ہو کچھ تو سبب انکو منانے کے لئے  
 موقع ملتا ہے پاؤں پر گرنے کا      کرتا ہوں تصور کجبتوانے کے لئے

دینہ میں دربار رسالت میں حاضر ہو کر جو حالت بے خودی طاری ہوئی اسکا اظہار

ذیل کی رباعی میں فرمایا ہے - ۵

گم ہیں خرد و حواس عتقا کی طرح      دل ہو گیا صاف انکی کف پا کی طرح  
 گر نور خدا نہیں ہے جلوہ ان کا      پھر کیوں مجھے غش آگیا موسیٰ کی طرح  
 عبادت الہی :-      فی زمانہ جس طرح عبادت الہی کی جانب سے غفلت کی جاتی

ہے وہ ظاہر ہے۔ نماز، روزہ اور زکوٰۃ اس قدر اہم تصور

نہیں کیا جاتا جتنا کہ سینما اور ٹیلی ویژن سے دلچسپی ہوتی ہے حضرت امجد صوفی ہیں مگر ان  
 صوفیا کی طرح نہیں جو نماز روزہ سے خود کو مستثنیٰ تصور کرتے ہیں۔ اس عنوان میں ہم ان

رباعیوں کو پیش کرتے ہیں جس میں عبادت کی ترغیب دی گئی ہے۔  
 زنجیر در عرض ہلاتا ہوں میں      آنکھ اس سے نماز میں لڑاتا ہوں میں  
 سجدہ کے بہانہ دل کی ہتیاہی سے      قدنوں پکسی کے لوٹ جاتا ہوں میں

اس سر بہ زمین شاخ کا پھل اعلیٰ ہے      عامل معمولی ہے عمل اعلیٰ ہے  
 پوچھو نہیں سجدہ کرنیوالوں کے مانع      سر خاک میں لب پڑ رہی لا اعلیٰ ہے

خالق نے جنہیں دیا ہوز دیتے ہیں      زکریا ہے خدا کی راہ میں گہر دیتے ہیں  
 اپنا سراہا ہے رکوع و سجدہ      سامان نہیں رکھتے ہیں سر دیتے ہیں

پایا نہ حیات کا شراک دن بھی      ہم کو نہ ہوا خدا کا ڈراک دن بھی  
 کیا حق ہوز میں پہ پاؤں رکھنے کا ہیں      رکھا نہیں جب سجدہ میں سر گردن بھی

فطرت ہر چیز کی طرف مڑتی ہے      ٹوٹی ہوئی چیز کے پھر جڑتی ہے  
 ہوتا ہے نماز میں ہجوم خطرات      گھر جاتے وقت خاک بھی اڑتی ہے

دلبر کے لئے ادا لئے ناز اچھی ہے      عاشق کے لئے رسم نیا اچھی ہے  
 موقع ہے یہی تو اک قدم لینے کا      ہر اک عبادت سے ناز اچھی ہے

اکثر صوفیا کا اس پر اعتقاد ہے کہ دعا انسان کی بھلائی کے لئے ضروری ہے اور وہ اُس کو زندگی کا لازماً تصور کرتے ہیں حضرت امجد بھی اس سے متفق ہیں۔ دعا کی فضیلت اور اس کی تمثیل میں جو حکمت نوازی فرمائی ہے وہ ملاحظہ ہو ۵

ہر دم اُس کی عنایت تازہ ہے      اُس کی رحمت بغیر اندازہ ہے  
جتنا ممکن ہو کھٹکھٹائے جاؤ      یہ دستِ دعا خدا کا دروازہ ہے

بندہ ہے مگر خدا کا دم بھرتا ہے      پروانہ ہے شمع سے نہیں ڈرتا ہے  
جب ہاتھ اٹھاتا ہے دعائیں سلم      اپنے رب سے مصافحہ کرتا ہے

بعض اہل دنیا ہر وقت یہ گلہ شکوہ کرتے ہیں کہ ہائے ہماری دعا قبول نہیں ہوتی حالانکہ خود خدا کا ارشاد ہے ”ادعونی استجب لکم“ مگر یہی ہماری دعا قبول نہیں ہوتی حضرت امجد سے اس کا جواب سُنو کہ کیوں دعا قبول نہیں ہوتی۔ ۵

لے لے کے خدا کا نام چلاتے ہیں      پھر یہی اثرِ دعا نہیں پاتے ہیں  
کھاتے ہیں حرام لقمہ پڑھتے ہیں نماز      کرتے نہیں پرہیز دو اکھاتے ہیں

اخلاقی رباعیاں :- اس عنوان میں ہم ان رباعیوں کو پیش کرتے ہیں جو درستی اخلاق اور فلسفہ اخلاق کے متعلق ہیں۔ اس قسم کی رباعیوں کا بڑا ذخیرہ ہے مگر یہاں ان میں سے بعض کو پیش کیا جاتا ہے۔

انسان کے لئے طاعتِ نہایت ضروری ہے مگر اس میں خود نمائی نہ ہو اس

نکتہ کو جس طرح تمثیل سے واضح کیا گیا ہے ملاحظہ ہو ۵  
 بے فائدہ کب ہے جب سائی اچھی طاعت میں نہیں ہی خود نمائی اچھی  
 اک سجدہ میں خاک کر دیا ہستی کو حضرت اہم سے ہی دیا سلائی اچھی

خود نمائی کی مذمت میں ایک اور ریاحی ملاحظہ ہو ۵  
 مرٹے ہیں ذلیل خواہش کیلئے بالیدہ ہوتی ہی روح کا ہش کیلئے  
 ہر حال میں ہے مغاخرت مد نظر پتلے مٹی کے ہیں نمائش کے لئے

کم ظرفی کی مذمت اور اسکی تشبیہ دیکھو ۵  
 کم ظرف اگر دولت و زر پاتا ہے مانند جباب ابھر کے اتراتا ہے  
 کرتے ہیں ذراسی بات میں فخر خیس تینکا تھوڑی ہوا سے اڑ جاتا ہے

تقاعد کی تعلیم ”ہرچہ گیر مختصر گریہ“ کی تشریح دیکھو ۵  
 گرمی میں غم بسادہ نازیبا ہے مستی میں خیال بادہ نازیبا ہے  
 کافی ہے ضرورت کے موافق دنیا جامہ قد سے زیادہ نازیبا ہے

انفعال کی تفسیر ملاحظہ ہو ۵  
 پیاسوں پہ کرے گا مہربانی پانی آتش پہ کرے گا حکمرانی پانی  
 کیا نارِ سقر جلا سکے گی واعظ خود شرم سے ہو رہا ہوں پانی پانی

متاع الدنيا قليل کی تفسیر دیکھو ۵  
 زیبا کس ڈیزین نظر موتی ہے آخر کی بھی کچھ تجھے خبر موتی ہے  
 یومئے یہ سپید ہوں گے اکدن امجد! ہر شام کی سحر ہوتی ہے

ندامت کے متعلق ایک اور رباعی سنو ۵  
 اس بلغ سے مثل بُوڑا جاتا ہوں جان اپنی مصیبت چھڑا جاتا ہوں  
 اجاب مے دفن کی کیوں فکر میں ہیں میں شرم گنہ سے خود گڑا جاتا ہوں

مصاحبت کی ندمت دیکھو ۵  
 عزت نہ ملی کبھی مصاحب ہو کر بے قدر ہوا ہے قلب قالب ہو کر  
 موجود ہیں سو عیب نظر آتے ہیں ہر چیز پسند آتی ہے خائب ہو کر

انسان کے خبیث باطنی کے متعلق فرماتے ہیں ۵  
 اک، ایک کی تاک میں لگا رہتا ہے خون ایک کا اک کے ہاتھ سے بہتا ہے  
 انسان کے خبیث باطنی کے آگے شیطان ہی لاجول ولا کتا ہے

نیک کاموں کی ہدایت ۵  
 اس نام کی زندگی میں کچھ جان تو ہو گر بن نہ سکے فرشتہ انسان تو ہو  
 نیکی نہ ہوئی نہ ہو بدی ہی تو نہ کر صوفی نہ ہوا نہ ہو مسلمان تو ہو

سوال کرنے کی ذمّت اور صرف خدا ہی سے طلب کرنے کی ہدایت یوں کرتے

ہیں ۵

ہر چیزِ مسبب سبب سے مانگو      منت سے خوشاے ادب سے مانگو  
کیوں غیر کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہو      بندے ہو اگر رب کے توب سے مانگو

اسی مضمون کی ایک اور رباعی ۵

اپنے آقا سے کج ادائیگی؟ توبہ      نااہلوں کے درپہ جبہ سائی؟ توبہ  
غیروں سے تعلقات؟ رب کے ہو کر      شوہر رکھ کر بھی آشنائی؟ توبہ

انسان اس فکر میں رہتا ہے کہ دُنیا اس کی قدر کرے اہل دُنیا اس کی  
عزت کریں حضرت امجد اس کی یوں ذمّت کرتے ہیں ۵

کیا فکر ہے کوئی قدر داں ہو کہ نہ ہو      جوٹی دُنیا میں عز و شائ ہو کہ نہ ہو  
اللہِ مسرتِ حقیقی دے دے      ہم زندہ رہیں نام و نشان ہو کہ نہ ہو

دُنیا میں سینکڑوں اصحاب ایسے ہیں جو مرشد بن کر لوگوں کی دولت کے حقدار  
بن جاتے اور دوسروں کی محنت اور کمائی پر بلا کسی حق کے اپنا دستِ تصرف دراز

کرتے ہیں، ایسے چھوٹے ٹھونفوں کی ذمّت سنو ۵

دُنیا کو کیا خراب اچھا بن کر      لی جان ہزاروں کی میجا بن کر  
شیخ نجدی! خدا ہی سمجھے تجھ کو      ڈھایا کبے کو تو نے قبیلہ بن کر

عموماً دنیا داروں کو یہ گلہ رہتا ہے کہ ہماری قدر نہیں ہوتی اور خصوصاً شعراء کو اس امر کا رونا ہوتا ہے کہ افسوس ہم کو کوئی نہیں پوچھتا۔ حضرت آجندہ اس پر بیخ و غم نہیں کرتے افسوس نہیں کرتے بلکہ اہل دنیا کو بتاتے ہیں کہ اس پر رونا صحیح نہیں ہے۔ دنیا اس لئے نہیں ہے کہ اپنی قدر دانی نہ ہونے پر صرف ماتم قائم کی جائے۔

دنیا نہیں جائے کامرانی کے لئے      مجلس یہ نہیں مرثیہ خوانی کیلئے  
جب ما قدر واللہ خدا کہتا ہے      کیا روتے ہو اپنی قدر دانی کیلئے

انسان کا ظاہر و باطن یکساں نہیں ہوتا ایک شخص مقدس صورت میں نظر آتا ہے۔ ہاتھ میں ہاتھ بہر کی تسبیح ہوتی ہے اور پیشانی پر سیاہ داغ ہو جاتا ہے۔ منبر پر وعظ و نصیحت سے پرہیز گاری کی ہدایت کرتا ہے مگر خود عامل نہیں ہوتا۔ سود کہا تا۔ زنا کرتا۔ غیبت چغلی سے نہیں بچتا۔ ایفائے وعدہ نہیں کرتا۔ اس کے عکس ایک بظاہر گنہگار ہوتا ہے تسبیح و مصلے سے کام رکھتا ہے اور نہ تقدس ظاہر کرتا ہے مگر خدا سے ڈرتا۔ ایفائے عہد کرتا۔ غیبت نہیں کرتا۔ چغلی سے پرہیز کرتا ہے وہ کسی کو ایسی نصیحت نہیں کرتا جس پر خود عامل نہیں ہو جاتا۔ حضرت آجندہ اس ظاہر و باطن کے اختلاف کے متعلق فرماتے ہیں۔

تقریر تو سن چکے اثر بھی دیکھو      باتیں تو بہت ہوئیں ہنر بھی دیکھو  
ہوتا نہیں ظاہر یہ قیاس باطن      دلق اطلس کا آستر بھی دیکھو

فلسفہ :- رباعی ہی ایک ایسی نوع شاعری ہے جس میں فلسفی نکتے ہی بیان کئے جاتے ہیں۔ اردو شاعری میں ایسے بہت کم شاعر ہیں جنہوں نے فلسفہ پر طبع آزمائی کی ہے۔ غالب کے کلام کو تمام تر فلسفہ کہا جاتا ہے۔ شاعر مدرا سی کا کلام بھی فلسفیانہ ہوتا ہے۔ حضرت امجد کی ایسی رباعیاں جس میں فلسفی راز پنہاں ہیں بسیوں ہیں بعض کو یہاں متعارف کراتے ہیں۔

گردش میں یہ گرد باد آخر کب تک      طرح کون و فساد آخر کب تک  
ٹوٹے گا طلسم مادیت اک دن      اضداد میں اتحاد؟ آخر کب تک

انسان کا جسم ایک چھوٹی دنیا ہے جس میں سینکڑوں کل پڑے کام کرتے ہیں۔ انسان کی زندگی ایک گھڑی ہے جو چلتی رہتی ہے۔ انسان کی سانس ہی ایک ایسی رفتار ہے جس پر زندگی کا دار و مدار ہے۔

سانچے میں اجل کو ہر گھڑی ڈھلتی ہے      ہر وقت یہ شمع زندگی جلتی ہے  
آتی جاتی ہے سانس اندر باہر      یا عمر کے حلق پر چھری چلتی ہے

اسی مضمون کی اور رباعی :-

اچھا نہیں یہ غرور جلدی کیجے      حتی الامکان ضرور جلدی کیجے  
ہر سانس یہ کہہ رہی ہے گتے جاتے      چلنے کے لئے حضور جلدی کیجے

انسان کے لئے کوشش ضروری ہے۔ انسان کی حالت بدلتی رہتی ہے۔

کسی حالت میں قرار نہیں ہو سکتا ۵  
 فطرت کا تقاضا ہے کہ کوشش میں ہے  
 دھچپی عقل ہے کہ کاوش میں رہے  
 خاک انسان کیوں نہ گردش میں رہے

دُنیا کی کوئی شے حقیر نہیں ہے یہاں کا ذرہ ذرہ کا رآمد ہے۔ ایک حقیر شے جو  
 کوئی حیثیت نہیں رکھتی بڑے سے بڑا نقصان کر دیتی ہے۔ زہر کا ایک قطرہ انسان  
 کو ہلاک کرنے کے لئے کافی ہے۔ بارود کا ایک ذرہ بڑے سے بڑے پہاڑ کو اڑا دینے  
 کی قوت رکھتا ہے۔ بجلی کی ایک حرکت کیا سے کیا کر دیتی ہے۔

اسی فلسفہ کو حضرت آجمل نے کس عمدگی سے ذہن نشین کر لیا ہے ۵  
 گیسو لہر کے ناگ ہو جاتا ہے      نوحہ آخر میں راگ ہو جاتا ہے  
 ہر چند دیا سلائی ایک تنکا ہے      صرف ایک رگڑ سے آگ ہو جاتا ہے

اسی طرح دُنیا میں بعض اشیاء بظاہر بیکار اور بے فائدہ معلوم ہوتے ہیں مگر  
 جب انکو اپنے محل اور موقع پر نظر غور سے دیکھا جائے تو ان کی خوبی اور حقیقت واضح  
 ہوتی ہے۔ اسی فلسفہ کو ملاحظہ فرمائیں۔

ساغر کے صفات جامِ حم میں دیکھو      آہن کا ہنر تیغ و دودم میں دیکھو  
 تقید ہے جامع کمالِ اطلاق      کیا حُسن ہے سنگ میں صنم میں دیکھو

دُنیا میں نیک نامی اور بدنامی تو ام ہیں جو جس قدر نیک نامی میں مشہور ہوتا ہے

بدنامی میں ہی فوراً مشہور ہو جاتا ہے۔ جہاں خیر ہوتا ہے وہاں شر بھی ہوتا ہے جہاں علم ہوتا ہے وہاں جہل بھی پایا جاتا ہے جب تک شر اور جہل کا وجود نہ ہو اسوقت تک خیر و علم کا امتیاز ہو ہی نہیں سکتا۔ اس فلسفہ کو ذیل کی رباعی میں ملاحظہ فرمایا جائے۔

ہے نام کے ساتھ ساتھ بدنامی بھی      ہے کام کے ہمراہ ناکامی بھی  
عرفان کا دعویٰ ہر جہالت کی دلیل      اظہار میں پختگی کے ہے خامی بھی

مفلس یہ خیال کرتا ہے کہ دولت مندری بڑی شے ہے اور اہل دولت بڑی راحت اور آرام میں ہوں گے۔ مگر اہل دولت سے پوچھو کیا واقعی ان کو آرام و راحت میسر ہے تو جواب نفی میں ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ دولت آرام و راحت کا ذریعہ نہیں ہے بلکہ وبال جان ہے۔ اس کو آرام سے سونا میسر نہیں ہوتا۔ ہر وقت یہ کھٹکارہتا ہے کہ کہیں اس کی دولت ہاتھ سے نکل نہ جائے حضرت امجد کا قول ہے کہ دولت سے راحت دو اسے صحت غذا سے قوت حاصل نہیں ہو سکتی۔ دولت اور افلاس کا مقابلہ ملاحظہ ہو:-

ہر چیز کا کھونا بھی بڑی دولت ہے      بیفکری سے سونا بھی بڑی دولت ہے  
افلاس نے سخت موت آسان کر دی      دولت کا نہ ہونا بھی بڑی دولت ہے

انسان کی زندگی عارضی ہے اسکی ہر سانس یہ خبر دیتی ہے کہ زندگی کی منزل ختم اور راستہ طے ہوا جاتا ہے ہماری اس عارضی زندگی کا اختتام معلوم نہیں

ایک بھلا چنگا تو مندا انسان جو آج ہے وہ کل ختم ہو جاتا ہے۔ موت کے لئے بیماری کی ضرورت ہے، نہ درد دکھ کی۔ اسکے لئے کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ حضرت امجد کیا بہترین طریقے سے اس کی تغیر فرماتے ہیں۔ کبتک ہے بقائے تن فنا کو معلوم کبتک ہے یہ زندگی قضا کو معلوم ہر سانس یہ کہہ رہی ہے جاتے جاتے جاتی تو ہوں واپسی خدا کو معلوم

انسان ہر شے کی ماہیت کے دریافت میں لگا رہتا ہے۔ ”یکویں، وہ کیوں؟“ کالانتنا ہی سلسلہ چلا جاتا ہے جس کا کہیں خاتمہ نہیں ہو سکتا۔ آخر حضرت انسان کی عمر تمام ہو جاتی ہے۔

یہ نافہ مشک ہے کہ خون ہو کیا ہے؟ عجاز ہے سحر ہے فسوس ہے کیا ہے؟  
منہ موت نے بند کر دیا آخر کار ہم کہتے ہی رہ گئے یہ کیوں ہے کیا ہے؟

اسی مضمون کی ایک اور رباعی

تقدیر سے کیا گلہ خدا کی مرضی جو کچھ ہی ہوا، ہوا خدا کی مرضی  
آج ہر بات میں کہا تک کیوں کیوں ہر کیوں کی ہوا انتہا خدا کی مرضی

تقدیر و تدبیر کا حل دیکھو

پابند خیال میری تقریر ہی آزادی یہ بھی پاؤ نہیں زنجیر زہی  
تھا جتنا خدا کا حکم کوشش کر لی تدبیر ہی وابستہ تقدیر زہی

سکرۃ الموت کی وجہ سنو  
 سہرا یہ زندگی ہے کھونے کیلئے  
 سب جاگ ہے ہیں صرف سونے کیلئے  
 بے وجہ نہیں ہے سکرۃ الموت آج

دُنیا میں حرکت ہر شے کا لازمہ ہے سائنس کی دُنیا کا دار و مدار حرکت پر ہی ہے  
 میدانِ عمل میں گامزن ہے حرکت  
 خورشید سکون کی اک کرن ہے حرکت  
 ہوتی نہیں ابتداء ساکن آج  
 ہے جاں مثال حرف تن ہے حرکت

اس دُنیا کی کوئی شے بیکار نہیں ہے ہر شے کے اندر اس کے فوائد پنہاں ہوتے  
 ہیں ہر شے کی خاصیت معلوم ہونا دشوار ہے، دُنیا کے کیمیا کے علماء اشیاء کی  
 ماہیت اور اسکی ترکیب معلوم کرنے میں مصروف ہیں مگر کیا اس خاکدانِ عالم  
 کے ہر شے کی ماہیت اور خواص معلوم ہو چکے ہیں؟ نہیں لاکھوں اشیاء ایسی  
 ہیں جن کی ماہیت سے انسان اور علماء کیمیا محض ناواقف ہیں۔ انسان کو جیسے  
 جیسے معلومات ہوتے جاتے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ دُنیا کا کوئی ذرہ  
 کوئی مخلوق بیکار نہیں ہے۔ انسان کی عقل کی رسائی سے ہنوز لاتعداد اشیاء

بہر ہیں

اس جسم کی کھچلی میں اک ناگ بھی ہے  
 آواز شکستہ دل میں اک ناگ بھی ہے  
 بیکار نہیں بنا ہے اک تیزکا بھی  
 خاموش دیا سلائی میں اک ناگ بھی ہے

روح اور جسم کے تعلق کو دیکھو ۵

بچپن ہی کے پہلو میں جوانی بھی تو ہے      باقی ہی کے آغوش میں فانی بھی تو ہے  
سمجھے ہو غلط روح جدا جسم جدا      جو برف کی شکل ہے وہ پانی بھی تو ہے

علماء سائنس کا اس پر اتفاق ہے کہ دنیا کی ہر شے میں بجلی ہے۔ البتہ ہم ان  
تماموں سے کام نہیں لیتے، مگر اس کام نہ لینے سے انکا وجود ناپاؤد نہیں ہو جاتا۔  
اس ابر کی تڑپیں برق خنداں ہی ہے      یہ گوشہ تنگ محشر تان ہی ہے  
بجلی سی بھری ہوئی ہے اسکے اندر      یہ تن کا پہاڑ آتش افشاں ہی ہے

انسان اشرف المخلوقات ہے ہر شے کو وہ اپنے لئے تصور کرتا ہے اور ان  
پر حکومت کرتا ہے مگر دیکھو خود اس کی حقیقت اُسکو کہاں تک معلوم ہے ؟ ۵  
عالم میں ہمارا کون محکوم نہیں      دنیا میں ہماری کس جگہ دھوم نہیں  
کیا پوچھنا ہے ہمارا اللہ اللہ      ہم وہ ہیں کہ خود ہمیں کو معلوم نہیں

تصوف - حضرت آجند کی رباعیوں کا بڑا حصہ تصوف پر مشتمل ہے۔ رباعیات آجند  
کے علاوہ خرّمہ آجند - جمال آجند - اور حج آجند میں بھی بسیوں رباعیاں ہیں۔ ہر  
ایک رباعی قابلِ اظہار ہے مگر ہم چند رباعیوں پر اکتفا کرتے ہیں  
وحدت الوجود کو مختلف رباعیوں میں ثابت کیا گیا ہے چند رباعیاں

ملاحظہ ہوں ۵

ذرّہ ذرّہ تیرا ہے خدائی دیکھو      ہر بت میں ہے شانِ کبر مائی دیکھو  
اعداد تمام مختلف ہیں باہم      ہر اک میں ہے مگر اکائی دیکھو

انسان ہزاروں ہیں مگر قسم ہے اک      الفاظ بکثرت ہیں مگر اسم ہے ایک  
اس عالم کثرت کا ہے نشا واحد      اعضا ہیں جدا جدا مگر جسم ہے ایک

کثرت میں نظر آتی ہے وحدت کھو      اکبار یہ تعدد و اقامت دیکھو  
توحید فی الافعال ہے گرد نظر      مسجد میں صلوٰۃ باجماعت دیکھو

تصوّف میں ”ہمہ اوست“ بھی ایک اہم مسئلہ ہے اس کی تفسیر  
ملاحظہ ہو ۵

واجب سے ظہور شکل امکانی ہے      وحدت میں دوئی کا وہم نادانی ہے  
دہو کا ہے نظر کا در نہ ہر شے ہمہ اوست      گرداب حباب موج سب پانی ہے

ہمہ اوست کے مقصود نیا دنیا کی ہر شے میں خدا کا جلوہ دیکھتے ہیں ہر قطرہ  
میں معرفت کا سمندر موجیں مارتا نظر آتا ہے۔ درخت کے پتہ پتہ میں اس کا جلوہ  
دکھائی دیتا ہے۔ جہان کے ذرّہ ذرّہ میں اس کا عکس نمایاں ہوتا ہے اسی  
اصول کے تحت یہ رباعی ہے ۵

ہر قطرہ میں بحر معرفت مضمّن ہے      ہر اک ذرّہ میں کچھ نہ کچھ جوہر ہے

ہو چشم بصیرت تو ہے ہر چیز اچھی      مگر آنکھ نہ ہو تو لعل ہی پتھر ہے

اسی مضمون کی ایک اور رباعی ملاحظہ ہو  
 صنعت تری ہر خار دکھا دیتا ہے      ہر غنچہ گل تیری صدا دیتا ہے  
 ہر اصل اصول معرفت یارب      پتہ پتہ ترا پتہ دیتا ہے

فلسفہ غم کے تحت ذیل کی رباعی قابل ملاحظہ ہے۔  
 غم میں رخ مقصود نظر آتا ہے      جلتی ہوئی شاخ میں ثمر آتا ہے  
 ہے زخم جگر میں تیزی ہنستی صورت      ہر چوٹ کے ساتھ تو ابھر آتا ہے

تصوف میں ”میں اور تو“ کا مسئلہ ”ہمہ اوست“ کی گویا تفسیر ہے اس کے متعلق مختلف رباعیاں ہیں جن میں بڑی خوبی سے اس مسئلہ کا حل کیا گیا اور نہایت صاف طریقہ سے اسکو واضح کیا گیا ہے، بعض رباعیاں ملاحظہ ہوں۔

میرے ہی مکان سے وہ ناگ نکلا      سمجھتا جسے دور وہ ہمراہ نکلا  
 میں محورِ باطنی میں جکی دذرات      آخر میں وہی راگہ اللہ نکلا!

ہیں مست مئے شہود تو بھی میں بھی      ہیں مدعی نمود تو بھی میں بھی  
 یا تو ہی نہیں جہاں میں یا میں ہی نہیں      ممکن نہیں دو وجود تو بھی میں بھی

بے خود میں رہوں تو وہ قریں آتا ہے      اس پردہ میں وہ پردہ نشین آتا ہے  
وہ جب آتا ہے میں نہیں رہتا ہوں      میں جب رہتا ہوں وہ نہیں آتا ہے

حاصل نہ کیا مہر سے ذرہ تم نے      دریا سے پایہ نہ ایک قطرہ تم نے  
آج صاحبِ خدا کو کیا سمجھو گے      اب تک خود ہی کو جب نہ سمجھا تم نے

دم بھر دم آدم کو سمجھتے ہوتے      دن رات کے ہمدم کو سمجھتے ہوتے  
یہ سچ ہے کہ ہم جو چاہیں کر سکتے ہیں      اے کاش کہ ہم ہم کو سمجھتے ہوتے

میں قسطنطنیہ ذخائر ہوں منع تو ہے      میں مہر جاں تاب ہوں مطلع تو ہے  
ہے فرق بہت لطیف ہم دونوں میں      باندھ ضمیر میں ہوں مرجع تو ہے

حضرتِ اجمد اپنے تصوف کے رنگ میں قرآن شریف کے جلوں کی  
ایسی بہترین تفسیر فرماتے ہیں جس سے بہتر شاید ہی ممکن ہو۔ بعض رباعیاں  
ملاحظہ ہوں۔ اذکر دنی اذکر کم۔ ۵  
غم سے ترے اپنا دل نہ کیوں ثنا کروں      جب تو سنتا ہے کیوں نہ فریاد کروں  
میں یاد کروں تو، تو مجھے یاد کرے      تو یاد کرے تو میں نہ کیوں یاد کروں

اس سینے میں کائنات رکھ لی میں نے      کیا ذکر صفات ذات رکھ لی میں نے  
ظالم سہی جاہل سہی نادان سہی      سب کچھ سہی تیری بات کھ لی میں نے

دُنیا میں گو ہمیشہ حق کی فتح ہوتی ہے مگر ابتدا میں باطل ہی کا اظہار ہوتا  
ہے۔ جب تک باطل نہ ہو حق کا وجود ناممکن ہے۔ باطل کے حق کا اظہار سنو  
عاجل کا ہی آخر کوئی حق ہو کہ نہیں      نازل کا ہی آخر کوئی حق ہو کہ نہیں  
کچھ دن تو بتوں کی ہی خدائی دکھیو      باطل کا ہی آخر کوئی حق ہو کہ نہیں

انسانی نفس اور روح کی حقیقت تصوف کا ایک اہم مسئلہ ہے، آیا روح اور  
نفس جدا ہیں یا دونوں ایک اس کے متعلق حضرت امجد دونوں کو ایک  
تصور کرتے ہیں۔ جب ادراک مادی مقنضیات کی تکمیل کی طرف متوجہ ہوتا  
ہے۔ تو اس کو نفس کہتے ہیں اور جب مادیت اور جسمانیت سے قطع نظر  
کے اپنی اصلیت اور بساطت کا رخ کرتا ہے تو اس کو روح کہتے ہیں یعنی حالیہ  
ترکیب اور موجودہ وضع کا نام جسم اور مادیت ہے اور اصلیت کا نام روحانیت  
کس طرح میں آپ کو ٹولوں یا رب      کس کانٹے میں اس جنس کو تولوں یا رب  
مخفی ہے تعین ہی میں اطلاق کا راز      کیوں کر گرہ وجود کہوں یا رب!

تصوف میں جب تک تمام دُنیا سے ہاتھ نہ دھولیں مقصدِ اعلیٰ حاصل نہیں ہو سکتا  
اور ایک کے ہو جانا ضروری ہے اسکی تفسیر سنو

ساری دنیا سے ہاتھ دہو کر دیکھو      جو کچھ ہی رہا سہا ہے کہو کر دیکھو  
سب کچھ نہ ملے اگر تو میرا ذمہ      اک مرتبہ تم ایک کے ہو کر دیکھو

انسانی رُوح بلندی کی طرف متوجہ رہتی ہے مگر جسم انسانی اس وقت تک  
مانع ہوتا ہے جب تک اس کا تعلق اس سے باقی رہتا ہے جب جسم انسانی  
سے رُوح جدا ہو جاتی ہے تو پھر وہ اپنے مقام اعلیٰ کی طرف پرواز کر جاتی ہے۔  
بیداد پہ صیاد کمر بستہ ہے      کس طرح نکل سکوں کہہ دیتے ہے  
کدے کوئی میچے ہمنیروز کے ذرا      اک طائر اوج سدرہ پر بستہ ہے

قرآن مجید کلامِ الہی ہے کسی کو اس میں انکار کی گنجائش نہیں۔ اس کے  
ساتھ ایک اور حقیقت ہی ہے جو صرف دیدہ بصیرت سے دیکھی جاسکتی ہے یعنی  
قرآنِ کریم میں کرامت دیکھی      ہر جزو کے ساتھ کل کی شرکت دیکھی  
ہر منزل کو اسی کی منزل پایا      ہر صورت میں خدا کی صورت دیکھی

انسان کی حقیقت کیا ہے ؟ اس کا جواب سنو  
یہ سنگ نشاں ہے منزلِ وحدت کا      پیدا نہ ہوا کوئی پھر اس صورت کا  
انسان جسے کہتے ہیں دنیا والے      قد آدم ہے آئینہ قدرت کا

تو خاص رموزِ حق کا گنجینہ ہے      اسرار سے لبریز تیرا سینہ ہے

مرآة جمال پاک ہے روح لطیف یہ جسم تراوح کا آئینہ ہے

حضرت امجد صاحب باطن روشن ضمیر صوفی صافی ہیں اپنی حالت کے متعلق اظہار  
سنو۔ جو عین حقیقت ہے ۵

سوتا ہوں تو چپکے سے جگا دیتا ہے جب جاگ اٹھتا ہوں پھر سلا دیتا ہے  
ہنسنے کو رلا دیتا ہے چسکی لے کر روتا ہوں تو پھر ہنس کے ہنسا دیتا ہے

یو شخص کسی بادشاہ کا مقرب خاص ہوتا ہے تو اس کو دوسرے لوگوں کی  
بہ نسبت زیادہ خوف ہوتا ہے خاصانِ خدا کی بھی یہی حالت ہے۔ ان کو  
ہر وقت خوفِ الہی دامن گیر رہا کرتا ہے ۵

اُسکی میری موافقت مشکل ہے عید اور رب میں مناسبت مشکل ہے  
ہے جس کا کمال کل یومِ فی شان ایسے ملک کی عبدیت مشکل ہے

## قطعات

حضرت امجد کے مختلف اقسام کلامِ مثنوی غزل رباعی وغیرہ کی صراحت کر دی گئی ہے۔  
اب قطعات پیش کئے جاتے ہیں اگرچہ ان کی تعداد مختصر ہے۔ مگر اہمیت کے  
لحاظ سے یہ بھی کم درجہ نہیں ہیں۔ رباعیوں کی طرح ان میں بھی حقائق اور معارف  
کا اظہار ہوا ہے۔ یہاں چند قطعات پیش کئے جاتے ہیں۔

تصوّف میں نفس کشی پہلا زینہ ہے۔ جب تک یہ طے نہ ہو سلوک کے مراتب حاصل نہیں ہو سکتے۔ اویار اللہ نے اپنے نفس کو جس طرح توڑا تھا اور دنیا کی عزت کو ٹھکرا دیا تھا، اس کے بیسیوں واقعات ہیں۔ دنیا دار دنیا میں عزت کا خواہاں ہوتا ہے۔ مگر صوفی آخرت کی عزت کا طلبگار ہوتا ہے۔ ان کو دنیا کی عزت یا مرتبہ کی خواہش نہیں ہوتی۔ وہ دنیا میں ذلیل و خوار رہنا پسند کرتے ہیں۔ خاکساری اور تواضع ان کے اعلیٰ صفات ہوتے ہیں۔ حضرت امجد ایک قطعہ میں اپنی خاکساری کی یوں شرح فرماتے ہیں۔

جہاں کو ناز ہے ہستی پر اپنی      میں اپنی نیستی پر مر رہا ہوں  
ملا ہے جب سے لطفِ خاکساری      تنزل میں ترقی کر رہا ہوں

اس دنیا میں انسانی زندگی ایک جاب سے بڑھ کر نہیں ہے۔ زندگی جاوید صرف مرنے کے بعد حاصل ہو سکتی ہے مگر اس کے باوجود ہم زندگی پر مرے جاتے ہیں اور موت سے ڈرتے ہیں۔ یہ روزِ نظر آتا ہے کہ جو آج ہے وہ کل نہیں رہتا جو کل ہے وہ پرسوں نہیں رہتا۔ اسکے باوجود ہماری جو حالت ہے وہ ظاہر ہے۔ حضرت امجد اس زندگی کی حالت کا نقشہ اس طرح کھینچتے ہیں۔

میں اس دریاے موجزن میں      مانند جاب ابھر رہا ہوں  
ہر سانس میں پھانس کی کھٹک ہے      پھر بکھی جینے پہ مر رہا ہوں

دنیا کی حالت کا نقشہ ایک اور قطعہ میں یوں پیش کیا ہے۔

ہوتی تھی کبھی ہماری خاطر داری      بننا تھا یقیں اپنا ہر اک خطرہ  
یادہ عزت تھی یا ہے اب ذیلت      قطرے سے گھر بنے گھر سے قطرہ

ایک اور قطعہ :-

تھ آکے ہر ایک چیز نکل جاتی ہے      تم لاکھ پیکارا کرو لینا لینا  
کل تک سب کچھ تنہا آج کچھ ہی تو نہیں      دنیا میں چلا جاتا ہے دنیا لینا

دنیا میں حرص و ہوا روز بروز زیادہ ہوتی جاتی ہے۔ آلائشِ دنیا سے  
کوئی پاک نہیں۔ انسان کی حرص کا صحیح نوٹو ذیل کے قطعہ میں کہنچیا گیا ہے۔  
ہٹتی ہی نہیں کسی طرح پھر آنکھیں      دیکھا جو کہیں کھانے کا برتن کوئی  
بڑھتی جاتی ہے حرص تنہا کھاؤ      بچپن میں ملا ہوا ہے چورن کوئی

بعض مرتبہ نقل سے اصل حاصل ہو جاتی ہے۔ مثلاً ہم کسی شخص کی نقل  
کرتے ہیں اور چند روز کے بعد وہی نقل ہم میں موجود ہو جاتا ہے کہا جاتا ہے کہ  
عشق حقیقی کے لئے پہلے عشق مجازی کی ضرورت ہوتی ہے۔

خون دل مشق روانی کر کے پانی ہو گیا      خاطر جمع اپنی آنکھن سے پریشان ہو گئی  
نقل یا پل سے ہوا آخر حقیقت کا طو      نقل کرتے کرتے اصلیت نمایاں ہو گئی

جب تک خودی کو ترک نہ کر دیا جائے خدا نہیں مل سکتا۔ اور حیب کوئی

انسان اپنی جان سے اٹھ جاتا ہے تو ہر مشکل آسان ہو جاتی ہے۔  
 جب تک ہے خودی خدا نہیں مل سکتا خود کو گم کر دو کچھ اگر پانا ہے  
 اٹھے ہوئے فتنے دم میں دب جاتے ہیں اک مرتبہ بس جان سے اٹھ جانا ہے

حشر کے ہول سے دُنیا والے رزاں ہیں۔ مگر خاصانِ خدا حشر کی خواہش  
 کرتے ہیں۔ اور اس کو نعمتِ عظمیٰ خیال کرتے ہیں۔  
 کیا خوف ہے آتشِ سقر سے اُنکو جو دل کی لگی کو دل لگی کہتے ہیں  
 جس کو سمجھتے ہیں حشرِ دُنیا والے ہم تو اُسے شرحِ زندگی کہتے ہیں

خدا ہر اُس شخص کا ہے جو دل سے اُسے پکارتا ہے۔  
 آجداں جا کسی کی تخصیص نہیں جو جگہ پکارتا ہے اسکا ہوں میں  
 سنتا ہوں صدائے درد ہر سبکس کی ملنے والے سے دل سے ملتا ہوں میں

انسان کے لئے غم بُری مصیبت ہے۔ ہزار طرح کی نعمتیں غم کے آگے ہیج  
 ہیں۔ انسان کا دل جب غمگین ہو جاتا ہے۔ تو پھر کوئی ایسی شے نہیں۔ جو اُس  
 کو غم سے راحت دے سکے۔ غرض غم بُری بلا ہے۔ خاصانِ خدا کے لئے دُنیاوی  
 زندگی ہی ایک غم ہے جس کے باعث وہ اس دُنیا میں خوش نہیں رہ سکتے۔

غم کے ہاتھوں ہے روزِ بربادی عمر بھر بے شمار موتیں ہیں  
 موت میں ایک بار مرنا ہے زندگی میں ہزار موتیں ہیں

**تبصرہ ۵ :-** کسی قدر تفصیل کے ساتھ حضرت امجد کے ہر قسم کے کلام کو پیش کر دیا گیا ہے۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ دریا سے ایک قطرے کا بھی اظہار نہیں ہوا۔ لیکن جو کچھ کلام پیش کیا گیا ہے۔ اس سے آپ کے کلام کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ ہماری اردو شاعری کا سن و سال ساڑھے پانچ سو سال کا ہے۔ اس طویل مدت میں دکن اور شمال سے ہزاروں شاعر پیدا ہوئے سینکڑوں ایسے ہیں جن کے کلام سے ہم بخوبی واقف ہیں۔ مگر بڑا حصہ ایسا ہے۔ جن کا کلام آج مرو زمانہ کے نظر ہو چکا ہے۔ نہیں معلوم ان میں کیسے کیسے گراں قدر جو ہر نہیں تھے۔

جن شاعروں کے کلام سے ہم بخوبی واقف ہیں۔ ان میں سے بیسیوں ایسے ہیں جنکا کلام زمانہ سے خراج تحسین حاصل کر چکا ہے مگر ایسے خوش نصیب بہت کم ہیں جنکا کلام متعدد مرتبہ شائع ہوا اور شمال اور دکن میں مقبول ہوا ہو۔ ان خوش نصیب شعرا میں سے جنکا کلام بار بار شائع ہوا ہے اور ہو رہا ہے۔ میر درد اور غالب سب سے زیادہ پیش پیش ہیں۔ اور حقیقت یہ ہے کہ میر تقی میر کے کلام کا سوز و گداز، خواجہ درد کے کلام کا سراپا تصوف اور غالب کی فلسفہ آمیزی ان کے کلام کے اس سے زیادہ قدر دانی کے مستحق ہیں۔ باغ اردو کی چین بندی میں ان کے کلام سے سدا بجا رکھول کھلے ہوئے ہیں۔ جن کی رنگینی اور خوشنمائی جاذبِ نظر اور خوشبو سے گلستانِ ہند کی فضا معطر ہے۔

حضرت امجد کے کلام میں میر کا سادہ اور سوز و گداز خواجہ میر درد کا سا تصوف اور غالب جیسا فلسفہ موجود ہے۔ آپ کے کلام سے بخوبی واضح ہوتا ہے کہ آپ کا کلام جہاں سراپا سوز و گداز درد و الم سے بھرا ہوا ہے وہاں اخلاق

اور فلسفہ کے گرانقدر محکمتوں اور تصوف کے پیش بہانگینیوں سے جڑا ہوا ہے۔

آپ کے کلام میں اگر کہیں تصوف کے انمول موتی ہیں تو کہیں اخلاق کے عمدہ اور بہترین خیالات کے نفیس جوہر محفوظ ہیں۔ کسی میں فلسفی نکات بیان کئے گئے ہیں تو کسی میں ادبی ریزے پنہاں ہیں۔ کسی میں قرآن مجید کا اقتباس آٹھمیں کو مینا کرتا ہے تو کہیں حدیث شریف کے انوار کو باطن کو نورِ صبر بخشنے ہیں کسی میں انسانی جذبات موجزن ہیں تو کہیں معرفتِ الہی کا سمندر رواں ہے۔

پھر آپ کے کلام کی صفائی ساوگی عام فہمی قابلِ داد ہے۔ شکلِ مشعلِ تصوف اور فلسفہ کے اہم مسائل کو جس طرح صاف اور واضح الفاظ میں آپ ادا کرتے ہیں وہ درحقیقت اعجاز ہے۔ بہترین نظم اور عمدہ شاعری کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ وہی کلام بہترین ہو سکتا ہے جو صفائی نازک خیالی اور تاثیر میں بڑھا ہوا ہو۔ حضرت امجد کے کلام میں تینوں امور جس خوبی اور بہترین طریقہ سے جمع ہو گئے ہیں وہ قابلِ داد ہے اور پھر آپ کی شاعری حقیقی جذبات اور خیالات کا آئینہ ہے۔ آورد نہیں بلکہ آمد ہے۔

آپ کی شاعری خصوصاً رباعیوں کے متعلق اہل ذوق اصحاب نے جن پیش بہانہ خیالات کا اظہار فرمایا ہے۔ وہ درحقیقت بالکل و جہی ہے۔ مثلاً ڈاکٹر سراجِ اقبال تحریر فرماتے ہیں کہ ہر رباعی قابلِ داد ہے۔ ان کے پڑھنے سے روحانی مسرت حاصل ہوتی ہے۔ علامہ عبدالرشید عماد می لکھتے ہیں کہ معراجِ سخن میں شاہد معنی کو ہر ہفت دیکھنا ہو تو رباعیات امجد کو دیکھئے۔ علامہ حیدر یار جنگ (علی حیدر طباطبائی) لکھتے ہیں کہ رباعیات امجد کی داد دینا سخن شناسی کا مقتضا ہے۔ مولانا مناظر الحسن پروفیسر عثمانیہ کالج ارقام فرماتے ہیں کہ حضرت امجد ہند و ننان کے ان شعرا میں سے ہیں جنکو زمانہ صدیوں کے بعد پیدا کرتا ہے۔

شمس العلماء مولوی محبت الحق لکھتے ہیں کہ سر رباعی ضرب المثل ہونیکے قابل ہے۔ مولانا  
 عبد الماجد صاحب دریا آبادی لکھتے ہیں کہ رباعیات امجد معنویت کی بلندی اور طرزِ زاد و نو  
 حیثیت سے قابلِ داد ہیں۔ مرحوم عظمت اللہ خاں لکھتے ہیں۔ رباعیات امجد زندگی کی  
 اعلیٰ ترین رُخ کی تفسیر ہیں۔ اور بلحاظ ادب نگاہِ خیال کا بہترین نمونہ ہے۔ پروفیسر الیاس  
 برنی تحریر کرتے ہیں کہ ایسے ہی کلام سے یقین ہوتا ہے کہ شاعرِ جزویت از پیغمبری۔  
 مولوی وحید الدین تسلیم مرحوم لکھتے ہیں۔ امجد صاحب قدرتی شاعر ہیں مبصرین کی  
 رائے میں اسوقت ہندوستان میں ان کی ٹکڑ کار باعی کہنے والا کوئی شاعر نہیں ہے  
 ان اعلیٰ خیالات کے بعد میرا تبصرہ کرنا یا حضرت امجد کے کلام پر کوئی رائے دینا  
 کیا حقیقت رکھتا ہے ؟ مجھے اس امر کا اعتراف ہے کہ میں نے اپنی نااہلی اور عدم  
 استطاعت کے باعث حضرت امجد کے کلام کی جیسی چاہیے تفسیر نہیں کی۔ اور اپنے  
 نقطہ نظر سے کلام امجد کا انتخاب پیش کیا۔ اگر کوئی قابلِ شخص قلم اٹھائے تو حضرت  
 امجد کے کلام کے اصلی جوہر اس سے زیادہ تاباں اور درخشاں نظر آئیں گے۔ فقط

نصیر الدین ہاشمی

جام باغ

ترپ بازار

حیدرآباد دکن

# یورپ میں کہنی مخطوطات

کے

متعلق بعض مشاہیر یورپ اپنے رہتلی اداروں کے آرا کا خلاصہ

ہماری تالیف ”یورپ میں کہنی مخطوطات“ کے متعلق نہ صرف ہندوستان بلکہ انگلستان وغیرہ سے بھی بے شمار آرا کا اظہار ہوا ہے ان میں سے بعض کا مختصر خلاصہ پیش کیا جاتا ہے:-  
(۱) پروفیسر سی۔ اے اسٹوری۔ درحقیقت یہ نہایت عمدہ اور مفید کام ہے اور اردو مطالعہ کے لئے دائمی اور قیمتی اضافہ ہے۔

(۲) پروفیسر ڈاکٹر آر۔ پی ویوہست۔ اس اہم تالیف سے آپ کی انتہائی محنت کاوش اور قابلیت ظاہر ہوتی ہے جو آپ کے یورپ کے کتب خانوں میں محتاط ریسرچ کا نتیجہ ہے۔ یہ تالیف قدر دران اردو کے لئے قیمتی خزانہ ہے۔

(۳) پروفیسر کمرنگو۔ مجھے یقین ہے کہ آپ کا یہ ریسرچ ہندوستان کے باہر انگلستان میں بھی اردو ادب کی ترقی میں معاون ہوگا۔ کیونکہ عموماً خیال یہ ہے کہ اردو میں کوئی ادب نہیں ہے جس کے لئے محنت و مشقت کی جائے۔

(۴) پروفیسر ڈاکٹر ٹی۔ جے ہیلی۔ آپ کی بہترین تالیف کا میں نے دلچسپی اور شوق سے مطالعہ کیا اور ایک تفصیلی ریویو بعض رسالوں کے لئے لکھا ہے۔

(۵) سر محمد اقبال - یہ کتاب اردو زبان اور لٹریچر کے تاریخ میں نہایت مفید ثابت ہوگی۔ آپ کا یہ کارنامہ قابل قدر ہے۔

(۶) چودھری سرفراز شاہ سابق ممبر تعلیم گورنمنٹ آف انڈیا۔ آپ کی محنت و کاوش اور دلچسپی آپ کی علم دوستی کی ایک زبردست شہادت ہے۔ آپ نے ادب اردو پر احسان عظیم اس قیمتی تالیف سے کیا ہے۔

آپ کی ساعی جلیلہ نے تصنیف و تالیف کے میدان میں ادب اردو کے دور افتادہ اور فراموش شدہ تاریخ کو خادمان اردو کے ہاتھوں میں دے کر ایک قابل قدر ایزادی کی ہے۔ جو ادب اردو کی ابتدائی اور دکھنی شکل و صورت کو عاشقان ادب کے مشتاق نگاہوں کے سامنے رکھ کر ملک کے علمی دولت میں باریہ فخر اضافہ کا سامان بہم پہنچائے گی۔

(۷) جسٹس سر عبدالقادر۔ آپ نے نہایت محنت اور کاوش سے ادب اردو کی ایک بڑی خدمت کی ہے۔

(۸) جسٹس سر محمد سلیمان۔ آپ نے اس کو مرتب اور شائع کرنے میں محنت شاقہ برداشت کی ہے مجھے یقین ہے کہ آپ کی تالیف نے اردو ادب میں قیمتی اور بہترین اضافہ کیا ہے۔

(۹) سمرتیج بہادر سپرو۔ اس قسم کی کتاب بغیر محنت و تحقیقات کے طیار نہیں ہو سکتی۔ جس قدر میں نے اس کا مطالعہ کیا ہے اس سے تو مجھے نہایت دلچسپ معلوم ہوتی ہے۔

(۱۰) مولوی عبید الرحمن خاں صاحب نواب صدر بارہنچک بہادر۔ بے شبہ تصنیف

تاریخ ادب کے لئے گراں مایہ سرا یہ ہے۔ آپ نے وہ مواد موزعین ادب کے سامنے رکھ دیا ہے جو عام تو کیا خاص کی رسائی سے بھی باہر تھا۔ اس کی مدد سے جو مقدمے لکھے جائیں گے ظاہر ہے کہ آجیات کا مقدمہ ان کے سامنے سراب ہی ثابت ہوگا۔ اور اس کے لئے آپ کی کاوش و محنت اہل ادب کے لئے منت افزا ہوگی۔

(۱۱) ڈاکٹر عبدالستار صدیقی صدر شعبہ شرقی الہ آباد یونیورسٹی۔ آپ نے واقعی بڑی عرق ریزی کی ہوگی۔ تب کہیں سال بھر میں یہ سوادیکجا کر پائے ہوں گے یہ صرف آپ کا شوق مفراطہا جس نے اس ناکافی مدت میں آپ سے یہ کام کروا لیا۔ کتاب کی ترتیب بھی بہت خوب ہے۔

اے کاش آپ کو زیادہ موقع ملتا اور آپ اردو کے پورے ذخیرہ کی تلاش و ترتیب اسی نہج پر کر سکتے آپ کی یہ کتاب آئندہ کام کرنے والوں کو بہت مدد دے گی اور جس قدر تحقیقی کام کی طرف لوگوں کی توجہ زیادہ ہوگی لوگ آپ کے زیادہ شکر گزار ہوں گے۔

مولانا عبداللہ عمادی۔ حضرت جوش ملیح آبادی۔ مولانا احسن مارہروی۔ پروفیسر نجیب اشرف ندوی۔ پروفیسر محفوظ اسحق۔ ڈاکٹر زبیر احمد وغیرہم کے آرا بخوف طوالت درج نہیں کئے گئے۔

## بعض سائل و اخبارات کے تنقید کا خلاصہ

(۱) معارف اعظم گڑھ۔ یورپ کے مشہور کتب خانوں سے دکنی مخطوطات کا عطر کشید کیا اور اب وہی کشید اس مجموعہ میں پیش کیا ہے۔

انسوس ہے کہ مولف کو وہاں قیام کا فرید موقع نہ مل سکا کہ وہ جرمنی وغیرہ کے کتب خانوں سے بھی استفادہ کرتے اور یہ مجموعہ صحیح معنوں میں یورپ میں دکنہی مخطوطات سے موسوم ہوتا۔

جناب ہاشمی نے اپنی ان تحقیقات و انکشافات سے اردو تاریخ کی بڑی خدمت انجام دی ہے۔

(۲) ہمایوں لاہور۔ ہاشمی صاحب نے یہ کتاب لکھ کر تاریخ ادب اردو کی پیش باخداہت انجام دی ہے۔ شایقین ادب کو مولف کی اس جائزگاہ محنت کی داد دینی چاہیئے۔ پانچروپہ میں تاریخ ادب کے یہ جواہر گویا کوڑیوں کے مول ہیں۔

(۳) ساتی دہلی۔ اہل ذوق اصحاب میں ہاشمی صاحب بھی ہیں جو اپنے معاصرین میں ایک ممتاز درجہ رکھتے ہیں۔ صاحب موصوف کو دکنہی اردو کے قدیم مصنفین اور اساتذہ کی تصانیف اور کلام جمع کرنے سے خاص شغف ہے۔ ہاشمی صاحب کی جانفشانی کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ صاحب موصوف نے قلیل عرصہ میں یورپ کے بارہ کتب خانوں سے استفادہ کیا۔

اپنی زبان کی تاریخ سے دل چسپی رکھنے والوں کے لئے دکنہی مخطوطات کا مطالعہ از حد دلچسپ اور مفید ثابت ہوگا۔ لائق مولف کی سعی مشکور ہے اور دکن اگر اپنے اس ہونہار پتوت پر فخر کرے تو بجا ہے سلطان العلوم کے ادب پرور حکومت میں ہاشمی صاحب زیادہ سے زیادہ حوصلہ افزائی کے مستحق ہیں۔

(۴) جامنہ دہلی۔ جن کتابوں اور مصنفین کی نسبت اس کتاب میں معلومات لکھی گئی ہیں وہ اردو زبان کے قدیم ترین کارنامے اور اساتذہ ہیں۔ جن سے بالعموم

لوگ واقف نہیں۔ اس لئے اردو زبان کی تاریخ میں یہ کتاب نہایت اہم ہے اور ہاشمی صاحب کی یہ کوشش ان کی دوسری کتابوں کی طرح اردو زبان کی تنقیدی و تحقیقی کارناموں میں ایک بے نظیر کارنامہ ہے۔ کیونکہ جب تک اس سے مدد نہ لی جائے گی کوئی تاریخ اردو زبان کی مکمل نہ ہو سکے گی۔

(۵) ادبی دنیا لاہور۔ یہ کتاب اردو زبان کی تاریخ کے سلسلے میں ہاشمی صاحب کی بے حد قابل قدر اور شاندار کوشش ہے۔ سال بھر میں اس قدر سالہ فراہم کر کے ترتیب دینا ہاشمی صاحب ہی کا دل گردہ تھا۔ انہیں افسوس ہے اور بجا افسوس ہے کہ اس سلسلے میں انہیں جرمی کے کتب خانوں کی دیکھ بھال کا موقع نہ ملا۔ اور کتاب میں یہ افسوسناک کمی رہ گئی۔ لیکن جو کچھ ان سے ہو سکا وہ بھی کوئی معمولی کام نہیں ہے۔ اردو زبان جب تک زندہ ہے ہاشمی صاحب کی یہ کوشش اہل مذاق سے خارج تحسین و وصول کرتی رہے گی۔

(۶) نگار لکھنؤ۔ ہر چند اس میں زیادہ تر صرف دکن ہی کے شعراء و مصنفین کے مخطوطات پائے جاتے ہیں۔ لیکن تاریخ دکن کی اہمیت اور اس حقیقت کے لحاظ سے کہ زبان اردو کا تعلق دکن سے قدیم تر تعلق ہے۔ یہ اس درجہ مفید و اہم ہے کہ اردو لٹریچر کا کوئی محقق و متفنن اس کو نظر انداز نہیں کر سکتا۔

(۷) سچ لکھنؤ۔ جن حضرات کو اس موضوع اور اس فن سے دل چسپی ہے ان کی ضیافت ذوق کے لئے خاصا سامان اپنی شقت اور دیدہ ریزی سے ہم پہنچا دیا ہے۔ (۸) ہندوستانی الہ آباد۔ مولف نے دکنی نظم و نثر کے مختلف دور کے جو نمونے پیش کئے ہیں ان سے نہ صرف مخطوطات کی حالت منکشف ہوتی بلکہ اس سلسلے

میں دکن میں اردو کی تدریجی ترقی پر بھی کافی روشنی پڑتی ہے۔

(۹) رسالہ مکتبہ خیر آباد۔ ہاشمی صاحب نے جو اس سے قبل دکن میں اردو لکھ کر کافی شہرت حاصل کر چکے ہیں اب ایک ضخیم اور کارآمد کتاب شائع کی ہے۔ کتاب کی وسعت اور غلطیوں کی کثرت سے اندازہ ہوتا ہے کہ مصنف نے بہت دیدہ ریزی اور محنت سے ان کو دیکھا اور ان کا باہمی موازنہ کیا ہے مصنف کی یہ کوشش قابل ستائش ہے۔ اگر اسی طرح اردو کے قدیم ادبی خزانوں پر تحقیق ہوتی رہے تو تاریخ ادب کو بہت فائدہ پہنچے گا۔

(۱۰) اجیار رہسپر دکن۔ مولف نے اپنی اس ضخیم تصنیف کے ذریعہ جو ان کے سال بھر کی یورپ میں علمی تحقیقات کا نتیجہ ہے بڑا احسان کیا ہے۔ یورپ کے متعدد دستخانوں میں قدیم دکنی تصانیف کے قلمی نسخوں کا بالعمان نظر مطالعہ کر کے مواد جمع کیا اور اسکو اس ضخیم کتاب کی صورت میں سلیقے سے درست کر کے پیش کیا۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ تاریخ اردو کا ذوق رکھنے والوں کو یہ تالیف بڑی حد تک نایاب قدیم دکنی تصانیف کے قلمی نسخوں کے مطالعہ سے جو یورپ کے کتب خانوں میں بکھرے ہوئے ہیں بے نیاز کر دیتی ہے اور قابل قدر و لائق مطالعہ ہے۔

(۱۱) صحیفہ۔ مولف نے یورپ کے کتب خانوں سے بہت سا مواد اپنی مختصر سی سیاحت کے دوران میں سمیٹا اور بہت سے مصنفین و مولفین اردو کا نام اپنی اس تالیف کے ذریعہ منظر عام پر پہنچا دیا۔ اردو کے جو اہر کے تجسس مولف نے بڑی عرق ریزی کے ساتھ مواد جمع کیا ہے۔

(۱۲) صحیح دکن۔ قابل مولف کی یہ محنت بہت ہی قابل قدر اور لائق ستائش

ہے۔ اردو ادب میں دکنی تصنیفات اور مخطوطات کی اہمیت روز بروز بڑھتی جاتی ہے اس لحاظ سے زیر تبصرہ کتاب ایک اچھے رہبر و رہنما کا کام دے سکتی ہے۔

اقتباس تتمقید سالہ اسکول آف انٹرنیشنل سٹیڈیز (لندن) از پروفیسر

## ڈاکٹر سیلی

جامعہ عثمانیہ اور اس کے متعلقہ اداروں کے قیام کی بنا پر وہاں گزشتہ چند سال سے بڑی جدوجہد پائی جاتی ہے۔ نوجوان جو تمام کے تمام دکنی ہیں اور معمر حضرات جو اکثر شمالی ہند سے آتے ہیں دونوں ادبی پیداوار میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مقدم الذکر حضرات میں عبدالقادر سردری، محی الدین قادری، سید محمد اور پیش نظر کتاب کے مصنف کے نام لینا کافی ہے۔ ان حضرات نے جو کام کیا ہے اس کا بڑا حصہ پسندیدہ ہے۔

ہاشمی صاحب کو دکن میں اردو کے مولف کی حیثیت سے ہم پہلے سے ہی جانتے ہیں۔ اس کتاب میں انہوں نے مختصر طور پر اپنے وطن کے اردو ادب کی تاریخ بیان کی ہے۔

اب انہوں نے اپنے موضوع کو ایک اور نہایت ہی دلچسپ انداز میں وسعت دی ہے۔ مولف نے یہاں کی نہرستوں کے مواد کے کچھ حصے کے ترجمے کے علاوہ انہوں نے مخطوطات اور ان کے مصنفین کا مزید احوال بیان کیا ہے۔ ان کا یہ کام ان کی پہلی محنت کا ضمیمہ ہے۔

یہاں کے ایسے طلباء کے لئے یہ کام بہت مفید ہو سکتا ہے جن کو یہ معلوم کرنے کی خواہش ہو کہ ان دکنی مخطوطات کا کیا احوال ہے جو برطانیہ عظمیٰ میں موجود ہیں۔ قطب شاہی اور عادل شاہی سلاطین کے ادبی کارناموں سے اہل یورپ روشناس نہیں ہیں۔ یہ امر قابل افسوس ضرور ہے بالخصوص محمد قلی قطب شاہ کے بارہ میں یہ امر اور زیادہ افسوسناک ہے۔ محمد قلی قطب شاہ بہت عالی مشرب اور شعر کہنے کا اسکو قابل لحاظ ملکہ حاصل تھا۔

آخر میں ہاشمی صاحب ہمارے دلی شکریہ کے مستحق ہیں جنہوں نے ایک بڑے کام کو کامیاب انجام پر پہنچا دیا کتاب مفید اور ساتھ ہی ساتھ دلچسپ ہے۔

## اقتباس تنقید رسالہ اہل ایشیاٹک سوسائٹی لندن از ڈاکٹر بیلی

ہاشمی صاحب نے سات کتب خانوں کا دورہ کیا چہ تو اس ملک کے اور ایک پیرس کا۔ ان کتب خانوں کی فہرست میں جن مخطوطات کا ذکر ہے ان کا معائنہ کیا اور پیش نظر کتاب میں مولف نے ایک ایک مخطوطہ کے متعلق متعلقہ فہرست میں جو کچھ لکھا پایا ہے اس کا ترجمہ کیا ہے اور ہر کتاب اور اس کے مصنف کے متعلق مزید معلومات بہم پہنچائے ہیں۔ مولف نے ہر شخص پر اور خصوصاً پور و پین علماء پر جو اردو ادب کے ابتدائی دور کے مطالع کی خواہش رکھتے ہیں احسان کیا ہے۔ اردو کی بعض دلچسپ ترین کتابیں اس عہد کی ہیں جو دکن میں منشاء کے پہلے لکھی گئی ہیں۔ ابتدائی دکنی مصنفین کے ادبی کارناموں کی مذمت شمالی ہند

کے لوگوں کی عادت رہی اور شاید ہمیشہ رہے گی۔ اس کے تین سبب ہیں اول یہ کہ شمالی ہند کے ناظرین دکھنی لٹریچر سے نابلد ہیں دوسرے یہ کہ وہ اس پر رشک کرتے ہیں کہ دکن کو اس خصوص میں دو یا تین سو سال یا اس سے زیادہ کی تقدیم حاصل ہے۔ تیسرے یہ کہ وہ ظاہری اسلوب کو غیر ضروری اہمیت دیتے ہیں اور اس طرح ایسی کتابوں کی اندرونی خوبیوں کی گہرائیوں تک پہنچنے میں ناکام رہتے ہیں جو دیر حاضرہ کی زبان اور صنائع کے معیار پر پورے نہیں اترتے۔

اس وقت دکن خاصی ادبی زندگی کا مرکز بن گیا ہے۔ اور متعدد جو شیئیلے کام کرنے والے پائے جاتے ہیں ہاشمی صاحب نے ان کی شہرت کو نہایت قابلیت کے ساتھ برقرار رکھا ہے اور ہمارے شکر یہ کہ مستحق ہیں“

---

# فہرست مضامین "مقالات ہاشمی"

## ادبی

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۱۷	سیلمان نامہ	۱	بہمنی عہد حکومت کا دکنی شاعر
۱۸	دلی کا غیر مطبوعہ کلام دیورپ کے دیوانوں سے	۲	نورس مصنفہ ابراہیم عادل شاہ
۱۹	دلی کا غیر مطبوعہ کلام (اکیاٹا نذاتی مخطوطہ سے)	۳	علی عادل شاہ اور اسکا اردو کلیات
۲۰	انڈیا آفس میں چند دکنی دیوان	۴	قصہ چند بندگان و مہیار
۲۱	سلاطین آصفیہ کی اردو شاعری	۵	خاور نامہ دکنی
۲۲	چند دکنی مرثیہ گو	۶	عہد قطب شاہی کی زرمیہ نویاں
۲۳	وحشی مرثیہ گو کی حیثیت سے	۷	شریعت نامہ
۲۴	مرزا کے مرثیے -	۸	لندن میں طوطی نامے
۲۵	دکن کے مرثیوں کی ایک بیاض	۹	پدماوت کے قصے
۲۶	ایک دکنی مرثیہ گو شاعرہ	۱۰	قصے حسینی
۲۷	نورطہ دلیم کالج کے ارباب قلم کے متعلق چند مزید معلومات -	۱۱	امین کی یوسف زلیخا
۲۸	امیر خسرو کی مہشت بہشت کے دو ترجمے	۱۲	ٹیبو سلطان نے اردو کی کیا خدمت کی
۲۹	قصہ خاور شاہ	۱۳	قلعہ داران سدھوٹ نے اردو کی کیا خدمت کی
۳۰	دیورپ کے چند غیر دکنی مخطوطات	۱۴	روضۃ الشہدا
۳۱	سلطان علی عادل شاہ اور اسکی اردو شاعری	۱۵	یورپ میں ارکاٹ کے دکنی مخطوطات
		۱۶	لندن کے ایک ایسے ایسے آگاہ کے تصنیفات

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
۲۴	اردو کے قدیم طبع ثانی پر ایک نظر	۳۲	شیخ ایلیا وٹن کے اصول سے امجد کی	
۲۵	قطب شاہی اور عادل شاہی اردو پر ایک نظر	۳۳	شاعری پر ایک نظر	
۲۶	اسٹار ڈاکٹر کڑی پر ایک تنقیدی نظر		تنقیدی مضامین	
۲۷	مقدمہ سب سے پر ایک تنقیدی نظر			
۲۸	مغل اور اردو پر ایک سرسری نظر	۳۳	شعرا ہند اور دکن	
۲۹	ڈاکٹر بلیک کی اردو لٹریچر اور رسالہ اردو	۳۴	انڈیا آفس کی بعض دکنی قلمی کتابوں	
۵۰	رسالہ اردو کی چند خصوصیتیں۔		پر ایک سرسری نظر	
	تاریخی	۳۵	رائل ایشیاٹک سوسائٹی میں دکنی	
			اردو کی قلمی کتابیں۔	
	خولہ بنت ازور	۳۶	کیمبرج کی اردو کتابوں پر ایک سرسری نظر	
	بیعت	۳۷	دکنی ادبیات کے متعلق برٹش میوزیم کی	
	غیر مسلم علماء کے ساتھ خلفا عباسیہ کا سلوک	۳۸	فہرست مخطوطات میں چند فروگزاشتیں	
	حضرت علی مرتضیٰ	۳۸	پریس کے اردو مخطوطات کی فہرست	
	اسلام اور تعلیمی مجالس	۳۹	انڈیا آفس کی کیٹلاگ میں دکنی مخطوطات	
	مسلمانوں کی تجارت		کی فروگزاشتیں	
	مولوی مرتضیٰ مرحوم	۴۰	رسالہ مخزن اور اردو شہ پارے	
	یورپ پر اسلام کے احسانات	۴۱	تذکرہ ریختی پر ایک سرسری نظر	
	سلطنت مغلیہ کے وزرا کی فہرست	۴۲	اردو سرفے کمیٹی کی رپورٹ کی چند	
	تذکرہ گرویزی کے دکنی شعرا		قابل توجہ فروگزاشتیں	
	نظام علیخانک نظام حکومت کا ایک خاکہ	۴۱	تاریخ نثر اردو	۴۳

صفحہ	عنوان	صفحہ	عنوان
۸۲	میرے جوتے کی کہانی اسی کی زبانی	۶۲	آصفیہ ثانی کی فوجی تنظیم
۸۳	اردو کی توقعات دکن سے	۶۳	آصفیہ اول بحیثیت پرنسپل
۸۴	زرعی نقطہ نظر سے دو عثمانی کے برکات	۶۴	نامور خواتین دکن
۸۵	ہمارے رسومات شادی میں اصلاح کی ضرورت۔	۶۵	بیجاپور کی ایک نامور ملکہ کی علمی سرپرستی
۸۶	ہمارا لباس	۶۶	اردو کی ابتدا کا ایک نظریہ
۸۷	ہمارے تعلیمی نصاب پر ایک نظر	۶۷	ہندوستان پر اسلامی اثرات
۸۸	نظام ساگر کے بعض دل آویز مناظر	۶۸	وقائع نگاری
۸۹	فلم جمہارت پر ایک سرسری نظر	۶۹	بعض اسلامی سلطنتوں کے خطابات
۹۰	ہندوستانی عورت	۷۰	شعرا و اردو کا ایک نایاب تذکرہ
۹۱	حیدرآباد کی مائیں	۷۱	متفرق
۹۲	جاپانی اردو	۷۲	تعلیمی نقطہ نظر سے عثمانی کے برکات
۹۳	ہماری جدید خاتون کا تعلیمی نصاب	۷۳	ہماری تعلیم کو نئی زبان میں ہونی مناسب
۹۴	دو عثمانی میں اردو ڈرامہ کی ترقی	۷۴	حال ہے
	مذہبی	۷۵	باددہکن (تسلیم نسواں)
۹۵	شام غم کی صبح امید	۷۶	کتب خانہ آصفیہ پر ایک نظر
۹۶	سیرۃ خاتم المرسلین	۷۷	لندن اور بریس کے عجائب خانے
۹۷	بعثت کے نتائج	۷۸	انگلستان کی عورتیں
۹۸	طہارت	۷۹	انگلستان اور فرانس میں قیام کے طریقے
۹۹	رحمت للعالمین	۸۰	انگلستان اور فرانس کے ہومل
۱۰۰	رسول کریم کی خانگی زندگی	۸۱	انگلستان اور فرانس کے رسٹورنٹ
		۸۰	نیپلز
		۸۱	خواتین یورپ و ہندوستان کی مسلمان عورتیں



# مؤلف کی دیگر کتابیں

راہِ یورپ میں مکہ منی مخطوطات۔ اس کے متعلق جو بلند پایہ خیالات مشاہیر یورپ اور ہندوستان نے ظاہر کئے ہیں انکی وضاحت اس کتاب کے آخر صفحات سے بخوبی ہو سکتا ہے۔  
مزید صراحت کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی۔ قیمت غیر مجلد (للعلم) مجلد (۱۷۱) (۲) دکن میں اردو۔ ہاشمی صاحب کی پہلی تالیف جس کے صفحہ میں سرکار عالی نے مؤلف کو یورپ کا وظیفہ عطا فرمایا۔

دکن میں اردو کی ابتدا اور اسکی ترقی کے متعلق بہترین تاریخ ہے۔ نظم و نثر کے نونے بھی دئے گئے ہیں۔ بارشانی کے صرف چند نسخے باقی ہیں۔ قیمت عام۔  
(۳) سفرِ یورپ۔ اس سے یورپ کے سفر کے متعلق نہایت عمدہ معلومات حاصل ہوتے ہیں۔ سفرِ یورپ کے لئے و حقیقت رہبر کا کام دیتی ہے۔ سفرِ یورپ کے متعلق جتنے ضروری امور ہیں ان سب کا اسمیں تفصیل سے ذکر ہے۔ اور پھر یورپ کے تمدن و معاشرت پر بھی بخوبی روشنی پڑتی ہے۔ قیمت .. .. ۱۲  
(۴) مقالات ہاشمی۔ مؤلف کے ادبی تنقید۔ تاریخ اور معاشرتی وغیرہ مضامین جن کی فہرست اس کتاب کے آخری صفحات میں شامل ہے۔ .. .. زیر ترتیب۔

لے کے پھا

ظہیر الدین۔ قادر مسکن جام باغ ترب بازار حیدرآباد دکن  
مکتبہ ابراہیمیہ۔ محی الدین بلڈنگ مصطفیٰ بازار حیدرآباد دکن









